اسلام میں سرکاری اہلکاروں کا ضابطۂ اخلاق

☆ڈاکٹر ممتاز احمد سالک

Islamic Code of Conduct for Civil Servents

The purpose of this research paper was to reflect the code of conduct of Hazrat Omar Farooq for civil servants. The material for this descriptive paper was taken from Sahah e Sittah, writings of the uncontroversial Muslim scholars, Historians, documents and original sources, like letters of Hazrat Omar Farooq to civil servants about the duties and responsibilities. After in depth analysis, in the light of intensive review of literature, suggestions and solutions are given to issues and problems which we are facing these days at national level. The paper concludes that most of the issues/ problem will be resolved as a result of adoption/ implementation of these golden principles already practices during period of Hazrat Omar (RTA).

دورِ جدید کی ریاست کے وسیع انتظامی معاملات کی قیادت و سیادت ایک طرف عاملہ (Executive) کے ذمے ہوتی ہے اور دوسری طرف تظمیۂ عامہ (Public Administration) کے، داخلی نظم و نسق کا سارا انحصار عملاً تظمیۂ عامہ پر ہوتا ہے جس کے دو اہم حصے ہوتے ہیں، ایک دفتری امور کو سرانجام دینے والا شعبہ جسے بیورو کریسی (Bureaucracy) کہا جاتا ہے جو عاملہ کے دفتری نظام (Secretariat) کو کنٹرول کرتا ہے یہ حکومت کا ریکارڈ اور حافظہ ہوتا ہے دوسرا اہم شعبہ خدمات عامہ (Civil Services) کا ہوتا ہے جس کا براہ راست عوام سے رابطہ ہوتا ہے، یہ عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں، عوام کے عملی مسائل کے حل، امن و امن کے قیام سمیت بے شمار مالی و انتظامی امور سرانجام دیتا ہے ان خدمات کی بدولت اس سے وابستہ سرکاری افسران کو سول سرونٹس کہا جاتا ہے۔ جمہوری نظام میں عاملہ سیاستدانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں وزیر اعظم، پارلیمانی طرز حکومت میں اور صدر، صدارتی طرز حکومت میں اپنی کابینہ (Cabinit) کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور وہی اس کا سربراہ ہوتا ہے(۱)۔

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور۔

زمینی حقیقت یہ ہے کہ عوام اور سیاستدان، دونوں مسائل کے حل کے لئے تظمیۂ عامہ (Public Administration) کے محتاج ہیں اور حکومت وعوام کے درمیان مؤثر اور نتیجہ خیز رابطے کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں سیاسی ادارے مستحکم نہ ہونے کی وجہ سے اس کو خصوصی غلبہ حاصل ہے یہاں تک کہ بعض مفکرین ان کی اس بے پناہ طاقت واہمیت کے پیش نظر یہ خیال رکھتے ہی کہ مفاد عامہ کا حقیقی تحفظ سیاستدانوں کی بجائے اسی کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ Harish Khare اپنے مقالے "Role of Bureaucracy, soft state soft administration" میں یہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ وہ سیاسی قیادت کی ناکامی کی صورت میں ملک کی ترقی کے لئے اپنی توانائیاں صرف کرے اس کے بقول "بیوروکریسی کو عوام کے بہترین مفادات کو یقینی بنانے کے لئے بالآخر خود اپنی آئینی ذمہ داری پورا کرنے پر غور کرنا چاہیے جو تنگ نظر اور غیر ذمہ دار سیاسی طبقے کے ہاتھ میں گروی ہیں (۲)۔

دوسری طرف بقول محمد البیورے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم خود ان بدنظمیوں کے عینی شاہد ہیں کہ اور ان بے شمار بیماریوں کو تسلیم کرتے ہیں جن میں دور جدید کی مہذب دنیا کی بیوروکریسیاں اور انتظامی ایجنسیاں مبتلا ہیں (۳)۔اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے اور ریاستِ مدینہ کے بعد خالصتاً اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی واحد اسلامی ریاست، پاکستان کے نہ صرف شہری بلکہ تمام امور کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے ان تمام سرکاری افسران کی خدمت میں وہ ضابطۂ اخلاق رکھیں جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کیا ہے تا کہ ان پر ملکی، قومی اور شرعی حجت پوری ہو جائے انہیں اپنے مقام اور منصب کے تقاضوں کا احساس ہو، اور آخرت میں جوابدہی کے لئے ابھی سے تیاری کر لیں۔ خواہ ان کا تعلق تظمیۂ عامہ (Public Administration) کے کسی بھی حصے سے ہو۔

ہر ملک کی پبلک ایڈمنسٹریشن اس کی سالمیت اس کے نظریے اس کے آئین اور اس کی تہذیب و ثقافت اور اس کے ہر قسم کے مفادات کے تحفظ کے لئے معرض وجود میں آتی ہے۔اس کا کام مذکورہ امور کو نہایت اعلیٰ معیار کے مطابق سرانجام دینے کے لئے نظام کار اور انفراسٹرکچر وضع کرنا، سارے عوام کو منظم کرنا اور دستیاب مادی وسائل کو دانشمندی اور کفایت سے استعمال کرنا ہوتا ہے۔ان میں سب سے زیادہ اہم ملک کا نظریہ ہوتا ہے۔ یہ جتنا زیادہ مضبوط و مستحکم اور عوام کے دل و ذہن میں راسخ ہوتا ہے اور اس کے تمام اداروں کے مزاج و مقاصد میں روح رواں کے طور کام کرتا ہے، اتنا ہی اس ملک وقوم کو اعتماد، اتحاد، استحکام اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں جن ممالک کا بنیادی نظریہ سیکولرازم ہے، وہاں نظمیہ عامہ کا سب سے پہلا فرض ہی سیکولرزم کا

فروغ ہوتا ہے۔اس کے تمام فیصلوں ، پالیسیوں اور اقدامات کی بنیاد اسی کے اصولوں پر رکھی جاتی ہے۔ جہاں قومیت، جمہوریت، کمیونزم یا کوئی مذہب ایک آئیڈیالوجی اور نظریے کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے، وہاں تمام حکومتی ادارے اسی کے لئے کام کرتے ہیں اور نظمیہ عامہ کے ضابطہ اخلاق کا تعین اسی کے مطابق ہوتا ہے۔

اس مقالے میں طوالت سے بچنے کے لئے اصولی و نظری مباحث چھیڑنے کی بجائے حضرت عمر فاروقؓ کے ماڈل کو پیش کیا گیا ہے اور آپ کے احکامات و فرامین اور عملی اقدامات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ کیوں کہ آپ نے پہلی مرتبہ نظمیہ ٔعامہ کا وسیع ادارتی سلسلہ قائم کیا اور ایک منظم انتظامی ڈھانچہ وضع کیا جو بائیس لاکھ اکیاون ہزار مربع میل سے زائد رقبے پر پھیلی ہوئی سلطنت کو بطریق احسن سنبھالنے کے قابل ہوسکا۔آپ نے سینکڑوں اہلکاروں کو تعینات کوارڈینیٹ اور کنٹرول کیا، عہد نبویؐ اور عہد صدیقی میں اتنا بڑے سیٹ اپ کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور اسلام کا دائرۂ انتظام صرف جزیرۂ عرب تک محدود تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی نظمیہ عامہ کو ایک تفصیلی ضابطہ اخلاق دیا، جو اسلامی شریعت سے ماخذ تھا۔اسے انہوں نے شریعت کی تعلیمات، اس کی روح اور مزاج و مقاصد کے مطابق رکھ کر مرتب کیا۔شریعت کے جامع اصولوں کو نہایت حکمت و بصیرت سے انتظامی معاملات پر منطبق کیا اور نظمیہ عامہ کو سختی سے اس کا پابند بنایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود بھی اس کی پوری طرح پاسداری کی آپ کے پورے عہد خلافت میں پوری طرح نافذ کر رہا ہے اور بعد کے ادوار کے لئے ایک قابل تقلید مثال بنا۔معروف مورخ علامہ مسعودی کے بقول: ''آپ حد درجہ متواضع تھے۔موٹا لباس پہنتے تھے،لیکن جب اللہ اور لوگوں کے درمیان کوئی معاملہ ہوتا تھا تو اس مین حد درجہ سختی برتتے تھے۔آپ کے جملہ عمال، افعال و اخلاق میں آپ کی پیروی کرتے تھے۔ وہ سب کے سب آپ کے سامنے آپ ہی کی طرح نظر آتے تھے(۴)۔'' پبلک ایڈمنسٹریشن کے شعبے میں آپ کے مقرر کردہ ضابطوں کو عصر حاضر میں اسی طرح اسلامی فقہ و قانون کا اہم ماخذ قرار دینے کی ضرورت ہے، جس طرح آپ کے اجتہادات زندگی کے دیگر شعبوں کے سلسلے میں تسلیم کئے جاتے ہیں۔آپ کا دیا ہوا ضابطۂ اخلاق اسلامی ریاست کی نظمیہ عامہ کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔محض روحانی اور نظریاتی اعتبار ہی سے نہیں، بلکہ فنی اعتبار سے بھی دیکھا جائے،تو اس سے بہتر ضابطہ اخلاق وضع کرنا ناممکن ہے۔یہ اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ عصر حاضر میں اسے واجب الاتباع قرار دینا چاہیے،البتہ حالات و زمانہ کی تبدیلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے اطلاق کے ذرائع اور حکمت عملی میں جہاں ترمیم کی ضرورت ہو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔اس کے لئے رہنمائی آپ کی اس

اجتہادی بصیرت سے مل سکتی ہے، جو اس کے پیچھے کارفرما ہے۔ جس کا بآسانی سراغ ہمیں ان واقعات سے مل سکتا ہے، جو اس ضابطہ اخلاق کے تحت دیئے ہوئے عنوانات کی تفصیل میں پیش کیے گئے ہیں۔

ا۔ اتباع شریعت:

اسلامی ریاست کی نظمیہ عامہ کے ضابطہ اخلاق میں سب سے پہلی اتباع شریعت ہے کہ سرکاری افسران وملازمین کے لئے ضروری ہے کہ ذاتی طور پر احکام شریعت کے پوری طرح پابند ہوں۔ اپنی ذاتی زندگی اور طرز عمل میں شریعت کا عملی نمونہ ہوں۔ پھر ہی کہیں جا کر دہ شریعت کے نفاذ کی منصبی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ نے بالکل بجا کہا ہے: ''امارت وسیادت کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو اسے دینی فریضہ تصور کرتا ہو اور تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہو اور اس کے تمام فرائض و واجبات کو حتی المقدور سرانجام دیتا ہو(۵)''۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کے دوسرے سال عراق کے خلاف جنگی مہمات کی خود قیادت کرنے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا، تو انہوں نے بالاتفاق خود مدینے میں قیام کرنے اور حضرت سعد بن مالک زہریؓ کو امیر مقرر کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے ان کو عراق کا امیر مقرر کر دیا اور انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اسعد بن وہیب اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ بات تمہیں دھوکا میں نہ ڈالے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ماموں یا دوست کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ برائی برائی کو نہیں مٹاتی، بلکہ برائی کو نیکی سے مٹایا جاتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور کسی کے درمیان اس کی اطاعت کے بغیر کوئی رشتہ نہیں۔ پس لوگوں کے شریف اور ذلیل اللہ کی ذات کے بارے میں برابر ہیں۔ اللہ ان کا رب ہے اور وہ اس کے بندے ہیں، وہ عافیت سے ایک دوسرے سے فضیلت حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے اطاعت سے حاصل کرتے ہیں پس اس امر پر نگاہ رکھیئے جس پر آپ نے رسولؐ اللہ کو بعثت سے لے کر وفات تک قائم دیکھا اور اس کی پابندی کیجیے۔ بالتحقیق وہی حقیقی امر ہے، یہ میری نصیحت ہے اگر آپ نے اسے ترک کر دیا اور اس سے بے رغبتی کی تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور جب آپ نے ان سے الگ ہونا چاہا تو انہیں فرمایا: ''عنقریب آپ کو ایک شدید امر سے واسطہ پڑے گا، پس آپ کو جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا، خوف الٰہی آپ کے کام کی تکمیل کرے گا اور یاد رکھو خوف الٰہی دو باتوں میں جمع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اس کی معصیت سے اجتناب کرنے میں اور اس کی فرمانبرداری یہ ہے کہ آدمی دنیا کے بغض اور آخرت کی محبت سے اس کی فرمانبرداری کرے اور اس کی نافرمانی یہ ہے کہ آدمی دنیا کی محبت اور

آخرت کے بغض کے ساتھ اس کی نافرمانی کرے اور دلوں کے لئے حقائق ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، ان میں سے کچھ پوشیدہ ہیں اور کچھ ظاہر ہیں۔ ظاہری حقیقت یہ ہے کہ حق کے بارے میں اس کی تعریف اور مذمت کرنے والا برابر ہو اور پوشیدہ حقیقت یہ ہے جو اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے ظاہر ہونے اور لوگوں کے ساتھ محبت کرنے اور لوگوں کی محبت سے معلوم ہوتی ہے، پس محبت سے بے رغبتی نہ کرو بلاشبہ انبیاء نے بھی اپنی محبت کے بارے میں دعائیں کی ہیں اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے محبوب بنا دیتا ہے اور جب کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو اس کو مبغوض بنا دیتا ہے۔ پس تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا وہی مقام سمجھو، جو لوگوں کے ہاں تمہارا ہے(۲۶)''۔

اس نصیحت کی ابتداء میں آپ نے یہ واضح کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق کسی کام نہیں آئے گا۔ اصل تعلق اطاعت کا رشتہ ہے، اس لئے آپ نے سیرت النبیؐ کی مکمل پیروی کا حکم دیا۔ یہ وہ تصور ہے جو آدمی کو غرور و گھمنڈ کے بجائے اتباع شریعت کا پابند بناتا ہے۔ پھر آپ نے مشکل حالات میں صبر و استقامت اور خشیت الٰہی اختیار کرنے کی ترغیب دینے کے ساتھ ہی ان کے عملی پہلو بھی واضح کر دیئے، تاکہ انہیں پورے شعور اور حقیقی تقاضوں کے مطابق اختیار کیا جائے اور دین سے گہرا تعلق قائم رہے۔ آخر میں ایک منتظم کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عوام کے دلوں میں صحیح مقام حاصل کرنے اور انہیں صحیح مقام دینے کی نصیحت کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں سے محبت کرے اور ان سے محبت لے۔ یہ وہ چیز ہے جو اسے منصبی فرائض کو اعلیٰ معیار تک ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ ان کے ذہن نشین کرایا کہ عوامی فلاحی ذمہ داری پر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام و مرتبے کا تعین بھی بندوں کے دلوں میں ان کے مقام و مرتبے کے تعین سے ہوگا۔

آپ عہدیداروں کے تقرر کے وقت ان کے تقویٰ اور اتباع شریعت کا خیال کرتے اور بعد میں بھی اس کا جائزہ لیتے رہتے۔ آپ کی تعلیمات اور پالیسیوں کا عوام کو علم تھا اس لئے وہ بھی حکام کو اسی پیمانے سے جانچتے تھے۔ آپ کے عمال و گورنروں میں سے ایک حضرت سعید بن عامر بھی تھے۔ حمص کے کچھ لوگوں نے جہاں کے وہ گورنر تھے، حضرت عمرؓ کے پاس شکایت بھیجی کہ وہ طلوع آفتاب کے بعد عوام سے ملتے ہیں، رات کے وقت بھی کسی سے نہیں ملتے۔ ہفتے میں ایک دن اپنے گھر سے باہر نہیں آتے۔ آپ کو جب یہ شکایت پہنچی تو فرمایا: ''اے اللہ مجھے عدل کی توفیق دے اور تیری فراست کم نہ کرے۔'' پھر حضرت سعید بن عامر اور شکایت کرنے والوں کو مدینے طلب فرمایا اور شکایت کرنے والوں سے فرمایا: ''اب ان کے سامنے اپنی شکایات بیان

کرو۔'' چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا تینوں شکایتیں من وعن دہرادیں۔ آپ نے سعید بن عامر کو حکم دیا کہ ان شکایات کا جواب دیں۔ وہ بولے: ''یا امیر المومنین! میرے پاس کوئی نوکر نہیں اس لئے میں صبح کا کھانا خود ہی تیار کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کے بعد لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں۔ دوسری بات یعنی رات کے وقت لوگوں سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رات کا وقت صرف عبادت الٰہی کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ تیسری بات یہ کہ میں ہفتے میں ایک روز گھر سے باہر نہیں نکلتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے جو میرے کپڑے دھودیا کرے اور چونکہ میرے پاس عموماً صرف ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہے اس لئے میں اسے خود ہی دھوکر سکھانے کے لئے ڈال دیتا ہوں اور جب وہ سوکھ جاتا ہے تو اسے پہنتا ہوں۔ اس کام کے لئے میں نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔'' آپ نے سعید بن عامر کے یہ جوابات سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ الحمدللہ عمال کے تقرر میں میری فراست کم نہیں ہے۔ پھر اہل حمص سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''آپ لوگ بھی خدا کا شکر کریں کہ اس نے آپ کو ایسا امیر دیا کہ لہٰذا اس کے متعلق گمان نیک کر رکھا کرو اور اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا کرو۔'' اس کے کچھ عرصے بعد آپ نے سعید بن عامر کو ہزار دینا بھیجے اور انہیں اپنے تصرف میں لانے کی اجازت دی۔ سعید کی بیوی بولیں: ''خدا نے ہمیں اب فارغ البال کر دیا ہے۔ اب آپ اپنے اور میرے کچھ کپڑے بنالیں اور گھر کے لئے کچھ تھوڑا بہت سامان خرید لیں۔'' اس کے جواب میں سعید بولے: ''دوسرے لوگ ہم سے بھی زیادہ اس کے مستحق ہیں۔'' چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ کر ان دیناروں کو ایک تھیلی میں ڈالا اور نام بنام غریبوں، ناداروں اور یتیموں میں انہیں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ تاہم ان میں سے پھر بھی جب کچھ دینار بچ گئے تو ان کی بیوی بولیں: ''ان باقی دیناروں میں سے آپ ایک خادم اپنی خدمت کے لئے رکھ لیں۔'' سعید نے جواب دیا: ''کیا آپ کے خیال میں مجھے واقعی کسی خادم کی ضرورت ہے جب کہ کچھ اور لوگ ہم سے زیادہ ان دیناروں کے مستحق ہیں (۷)''۔

اس روایت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فاروق اعظم کی پبلک ایڈمنسٹریشن سے عوام کی کیا توقعات تھیں اور پھر اس سے وابستہ اہلکار بغیر کسی نمود ونمائش اور ریاء وشہرت اپنی صرف اجتماعی نہیں بلکہ نجی زندگی کو کس طرح احکام شریعت سے ہم آہنگ کرنے میں سرگرم عمل ہوتے تھے اور عوامی فلاح و بہبود کو اپنی ضروریات پر کس طرح ترجیح دیتے تھے۔ آپ نے احکام شریعت کی پیروی کا ایک ایسا جذبہ ان کے اندر پروان چڑھایا کہ وہ باہمی میل جول میں بھی ایک دوسرے کو اسی کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ آپ کے

مشہور جرنیل سعد بن ابی وقاصؓ آپ کے مقرر کردہ مدائن کے گورنر مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ سے ملے۔ وہ اکثر ریاضت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے ان سے مدائن میں ملاقات کی تو ان سے کہا: ''اے ابوعبداللہؓ! مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔'' سلمان فارسیؓ بولے: ''جب کسی کام کی ہمت کرو تو خدا کا نام لیا کرو اور اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا کرو، حکمت کی باتیں بیان کرتے وقت زبان کا لحاظ کر رکھا کرو، جب کچھ تقسیم کرنے لگو تو ہاتھ پر نظر رکھا کرو۔'' یہ کہہ کر سلمان فارسیؓ رونے لگے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو بولے: ''آپ دیکھتے ہیں کہ میرے گھر میں سوائے طہارت اور لوازم عبادت کے آرام و آسائش کا کوئی سامان نہیں ہے، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ترک آرائش بری بات نہیں، خدا کا خوف سب سے اہم چیز ہے، بس اس لئے روتا ہوں کہ دنیاوی معاملات میں جو میرے سپرد ہیں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے، جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بن جائے (۸)''۔ اس سے حضرت سلمانؓ نے حکام کے ضابطہ اخلاق کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، لیکن سب سے اہم اللہ تعالیٰ سے ہر وقت تعلق قائم رکھنا اور اس کا ذکر اور یاد ہے اور ذاتی ریاضت سے بڑھ کر ان امور کو پوری تن دہی سے ادا کرنا ہے، جو منصب کی وجہ سے سپرد کئے گئے ہیں۔ ان کے بارے جواب دہی سب سے زیادہ ہوگی۔ اللہ کی رضامندی انکی صحیح بجا آوری سے مشروط ہے۔ حضرت عمرؓ کا اپنا طریقہ یہ تھا کہ خود احتسابی کرتے رہتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز میں آپ کے ہمراہ نکلا، یہاں تک کہ وہ ایک احاطے میں داخل ہو گئے۔ میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا: ''عمر بن الخطابؓ امیر المومنین ہیں، خوشی کی بات ہے واللہ! اے فرزند خطاب تجھے ضرور اللہ سے ڈرنا ہوگا، ورنہ اللہ تجھ پر عذاب نازل کرے گا (۹)۔'' آپ نے ایک مرتبہ عمال کے لئے اتباع شریعت کی اہمیت کو نہایت خوبصورت دلیل سے واضح کیا۔ ارشاد فرمایا: ''رعایا امام کے حقوق ادا کرتی رہتی ہے، جب تک امام اللہ کے حقوق ادا کرتا رہتا ہے۔ جب امام عیش کرنے لگتا ہے تو وہ بھی عیش کرنے لگتے ہیں (۱۰)''۔ ایک مرتبہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھا، اس میں روم کے لشکروں اور ان کی طرف سے خطرات کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے حمد و ثناء کے بعد لکھا: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بندۂ مومن پر کوئی سختی اترتی ہے تو اس کے بعد وہ خوشی دیتا ہے۔ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی (۱۱)۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۱۲)''۔ اے ایمان والو: ثابت قدم رہو اور دشمنوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ اور اتفاق و اتحاد قائم رکھتے ہوئے جہاد کے لئے کمربستہ رہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ

تم فلاح پاؤ۔

حضرت حسنؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا: ''اما بعد کام میں زور وقوت (اور روانی) باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ڈالا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تمہارے سامنے کاموں کا ڈھیر لگتا چلا جائے گا اور تمہیں یہ سدھ نہ رہے گی کہ ان میں سے کس کام کو پہلے انجام دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے کام بگاڑ لو گے اور اس حقیقت کو کبھی نہ بھولنا کہ تمام کام امیر کے لئے اسی وقت تک پوری طرح انجام پاتے ہیں جب تک وہ امیر خود اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتا رہتا ہے، لیکن جب امیر خود حدود فراموشی اور ناحق کاروائیاں کرنے لگتا ہے تو پھر ماتحت بھی اس کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں اور دیکھو لوگوں کو اپنے برسراقتدار طبقہ سے ایک قسم کی کد اور تنفر سا پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا ہمیں اس کیفیت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اس طرح دلوں میں کینے پیدا ہو جاتے ہیں۔ دنیا کو ترجیح دے دی جاتی ہے اور خواہشات نفس کی پیروی کیجاتی ہے۔ لہٰذا تم حق کو قائم کرنے میں کوشاں رہو خواہ اس مبارک مقصد کے لئے تمہیں دن کی ایک گھڑی ہی نصیب ہو۔ (۱۳)'' آپ نے اس فرمان میں بروقت کام کرنے کے لئے نہایت اہم دلیل دی ہے، جسے دور حاضر میں سامنے رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ آبادی و مسائل میں اضافے کی وجہ سے فائلوں کے ڈھیر لگتے رہتے ہیں اور ہر بروقت کام نہ کرنے کی وجہ سے عوام بھی اذیتوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور تمام امور بھی ناقابل اصلاح حد تک بگڑ جاتے ہیں۔

دوسرا اتباع شریعت اور حق کی پیروی کی خصوصی طور پر تاکید کی گئی یہی افسران کے ضابطہ اخلاق کا پہلا نقطہ ہے۔

آپ اس بات پر بھی نظر رکھتے تھے کہ آپ کے عمال شریعت کے احکام کے مطابق امور کے فیصلے دے رہے ہیں یا نہیں؟ آپ کی طرف سے مقرر کردہ بحرین کے عامل مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ آ رہے تھے۔ انہیں ربذۃ کے مقام پر عراق کے کچھ سوار احرام باندھے ہوئے ملے۔ انہوں نے شکار کے اس گوشت کے بارے میں پوچھا (کہ حلال ہے یا نہیں) جو اہل ربذۃ والوں کے پاس تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے کھانے کی اجازت دی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس اجازت کے بارے میں شک ہوا جب میں مدینے پہنچا تو اس کا ذکر حضرت عمر فاروقؓ سے کیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ''تم نے انہیں اس بارے میں کیا حکم دیا؟'' میں نے کہا کہ ''کھانے کی اجازت دی۔'' حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ''اگر تم نے اس کے علاوہ فتویٰ دیا ہوتا تو میں تمہارے ساتھ ایسا ایسا کرتا یعنی ڈرانے لگے۔'' ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا: ''میں تمہیں سزا دیتا (۱۴)۔'' آپ نے حضرت عتبہؓ کو لکھا: ''تم لوگوں کو ظلم سے بچاؤ تقویٰ اختیار کرو اور ڈرتے رہو ایسا نہ ہو کہ تمہاری غداری یا سرکشی

کی وجہ سے تمہیں زوال آجائے۔ اللہ اس وقت تک تمہارے ساتھ رہے گا جب تک تم اللہ کے عہد پر قائم رہو گے۔ اس لئے تم اللہ کے عہد کو پورا کرو، اس کے احکام کی پابندی کرو، وہ تمہارا مددگار رہے گا اور تمہاری مدد کرے گا(۱۵)''۔

۲۔ قریبی رابطہ:

آپ کے دیئے ہوئے ضابطہ اخلاق کا دوسرا اصول عوام سے قریبی اور گہرا رابطہ ہے۔ یہ رابطہ پبلک ایڈمنسٹریشن کے اہلکاروں کی اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ پیشہ ورانہ ضرورت بھی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ نہ تو عوام کے مسائل و معاملات سے آگاہ رہ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے جذبات و احساسات کا انہیں علم ہو سکتا ہے۔ اس لئے دور جدید میں ماحول سے رابطہ و تعلقات پر وان چڑھانے اور تعلقات عامہ (Public Relation) کے لئے خصوصی انتظامات کئے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے محکمے اس مقصد کے لئے الگ شعبے قائم کرتے ہیں۔ آپ خود کھلا رابطہ رکھتے تھے، آپ سے گھر اور مسجد میں بلا روک ٹوک ہر وقت ملاقات ہو سکتی تھی۔ آپ کا نہ تو کوئی دربان تھا نہ ہی سیکورٹی آفسر، گلیوں، بازاروں، محلوں کے عوام کے حالات معلوم کرنے کے لئے سر عام پھرتے رہتے تھے یہاں تک کہ راتوں کو محلوں اور مدینے کے نواحی علاقوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔ آپ اپنے اہلکاروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی کو حاکم مقرر کرتے تھے تو اس سے معاہدہ لکھواتے تھے اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو اس پر گواہ ٹھہراتے تھے۔ اس میں یہ شرائط ہوتی تھیں، وہ عمدہ سواری پر سوار نہیں ہوگا، میدہ کی روٹی نہیں کھائے گا، باریک لباس نہیں پہنے گا اور عوام کی ضروریات کو روکنے کے لئے دروازہ بند نہیں کرے گا(۱۶)۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ اپنی ڈیوڑھی پر دربان نہیں رکھے گا(۱۷)۔ ان شرائط کا اصل مقصد یہ تھا کہ حکام اپنے آپ کو عوام کی سطح پر رکھیں۔ ان کے درمیان سماجی مقام اور طبقاتی تفاوت کی دیواریں حائل نہ ہوں۔ ان کے درمیان ایسا آزادانہ میل جول، رابطہ اور قرب ہو کہ وہ ایک دوسرے کے معاملات سے اچھی طرح باخبر ہوں اور ایک ہی معاشرے کا حصہ بن کر رہیں۔ یہ چیز اسلامی نظمیہ عامہ کے تشخص کی علامت ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا: ''اللہ کے نزدیک امام کے حلم سے زیادہ گرانمایہ اور بے خبری سے زیادہ قابل نفرت چیز اور کوئی نہیں(۱۸)''۔ ''ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے عمال کو مخاطب کر کے فرمایا: ''عوام کی طرف سے غافل ہو کر

دروازے بند کر کے نہ بیٹھو(۱۹)'۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام خط لکھا اس میں حسب ذیل نکات تھے:

۱۔ واضح ہو کہ عوام اپنے بادشاہ سے دور رہتے ہیں، خدا کی پناہ اگر میں اور آپ اسی کورانہ روش اور کینہ توزی پر گامزن ہوں۔

۲۔ روزمرہ عدالت ضرور کیجئے اگر چہ تھوڑی دیر کے لئے۔

۳۔ اگر بیک وقت دو ایسے امر پیش ہوں کہ ایک میں عاقبت اور دوسرے میں دنیا کا سود و بہبود ہو تو عاقبت کو ترجیح دیجئے۔ دنیا فنا ہونے والی ہے اور عاقبت کو دوام حاصل ہے۔

۴۔ بدکردار لوگوں پر پوری نگرانی رکھئے۔

۵۔ مسلمان مریضوں کی عیادت میں کوتاہی نہ کیجئے۔

۶۔ ان کے جنازہ میں شرکت کیجئے۔

۷۔ عوام کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھئے اور ان کے معاملات میں ذاتی طور پر دلچسپی لیتے رہئے، آپ بھی تو انہی میں سے ایک فرد ہیں البتہ ان کے مقابلے میں آپ کی ذمہ داری کہیں زیادہ ہے۔

۸۔ اے ابو موسیٰ مجھے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کی عوام کے مقابلے میں خوش لباسی، پر تکلف کھانوں اور اعلیٰ سواری کی اطلاع ملی ہے اس سے بچتے رہئے کہ مویشی کی مانند ہری ہری دوب سے پیٹ بھرتے رہنا خود کو فربہ بنانا ہے اور فربہی کا نتیجہ آخر میں برا ہوتا ہے۔

۹۔ حاکم کی کج روی کے اثر سے رعیت بھی اسی قسم کی ہو جاتی ہے۔ بد بخت ہے وہ حاکم جس کی وجہ سے عوام بد بخت ہو جائیں۔۔۔ والسلام (۲۰)۔

اس خط میں عوام سے قریبی رابطے اور ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لئے ضابطہ اخلاق کے کئی سنہری اصول بیان کئے ہیں جو سرکاری اہلکاروں اور عوام کے درمیان محبت واخوت اور اعتماد و یگانگت کے لئے ضروری ہیں۔ ان میں جنازہ و عیادت یعنی خوشی و غمی میں شرکت نہایت اہم ہے۔ آپ ان اصولوں کی محض تبلیغ و ترغیب پر مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جاتے تھے، بلکہ بطور منتظم اعلیٰ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ ان پر عملدرآمد کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ عوام کے ساتھ آپ کا ذاتی طور پر قریبی رابطہ اس سلسلے میں مددگار ہوتا تھا۔ آپ مختلف علاقوں سے آنے والے وفود سے وہاں کے عامل کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ''وہ کیسا ہے۔'' جب جواب ملتا کہ اچھا ہے تو پھر پوچھتے: ''کیا تمہارے مریضوں کی عیادت کرتا ہے؟'' وہ کہتے ہاں: پھر پوچھتے: ''کیا وہ غلام کی بھی عیادت

کرتا ہے؟'' جواب ملتا ہاں! پھر پوچھتے کہ'' کمزوروں کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے؟ کیا اس نے اپنے دروازے پر دربان رکھا ہوا ہے؟'' اگر ان خصلتوں کے بارے میں ان کا جواب نفی میں ہوتا تو اسے معزول کر دیتے (۲۱)۔ آپ کی دی ہوئی ہدایات دکھاوے، ضابطے کی کاروائی اور محض پند ونصائح کے لئے نہیں ہوتی تھی، بلکہ سوچی سمجھی پالیسی کا حصہ ہوتی تھیں۔ آپ ان پر عملدرآمد خود بھی کرتے اور عمال سے بھی کرواتے۔ اس بات پر نظر رکھتے کہ کہیں ان کی خلاف ورزی تو نہیں ہورہی۔ کسی بھی ذریعے سے منفی اطلاع ملتی تو فوری طور پر کارروائی کرتے۔

ایک بار جب آپ مدینہ کی کسی سڑک پر جا رہے تھے کسی شخص نے پکار کر آپ سے یہ کہا: ''عمر! کیا خیال ہے تمہارے عامل عیاض بن غنم کے مصر کا عامل رہتے ہوئے بھی کیا تمہاری یہ شرطیں اللہ کے حضور تمہیں بچالیں گی؟ دریں حالیکہ وہ باریک کپڑا بھی پہنتا ہے اور اپنے دروازے پر دربان بھی رکھتا ہے۔'' اب عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلایا، جو افسران تک آپ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے اور انہیں مصر روانہ کیا۔ آپ نے ان سے یہ کہا کہ ''تم انہیں جس حال میں پاؤ اسی حال میں میرے پاس لاؤ۔'' راوی کہتا ہے کہ یہ وہاں پہنچے تو ان کے دروزہ پر ایک دربان کو موجود پایا۔ پھر اندر داخل ہوئے تو ان کے بدن پر ایک نفیس قمیص نظر آئی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ ''امیر المومنین کا بلاوا ہے، چلو۔'' انہوں نے کہا کہ ''مجھے اپنی قبا پہن لینے دو۔'' یہ بولے کہ ''نہیں! اسی حال میں چلو۔'' راوی کہتا ہے کہ چنانچہ وہ انہیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب عمرؓ نے انہیں دیکھا تو فرمایا کہ ''اپنی قمیص اتار دو''۔ پھر آپ نے موٹے اون کا ایک کرتا منگوایا اور بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ اور ایک لاٹھی بھی منگوائی اور ان سے فرمایا کہ ''یہ کرتا پہنو، یہ لاٹھی اور یہ بکریاں چراؤ۔ ان کا دودھ خود پیو اور راہ گیروں کو پلاؤ اور جو بچ رہے وہ ہمارے لئے محفوظ رکھو۔ سن لیا تم نے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں! (سن لیا) مگر موت آجانا اس سے اچھا ہے (کہ میں ایسا کروں۔)'' آپ نے بار بار ان سے یہی بات کہی مگر ہر بار انہوں نے یہی جواب دیا: ''اس سے بہتر یہی ہوگا کہ موت آجائے۔'' حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ ''تمہیں یہ بات اتنی ناگوار کیوں معلوم ہوتی ہے جبکہ تمہارے باپ کا نام غنم اسی لئے پڑ گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ کیا تم آئندہ بھلی روش اختیار کرسکو گے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہاں! امیر المومنینؓ۔'' آپ نے فرمایا: ''اچھا تم جاؤ'' اور آپ نے ان کو ان کے منصب پر بحال کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد یہ اتنے اچھے بن گئے کہ عمرؓ کا کوئی دوسرا عامل اتنا اچھا نہ تھا (۲۲)۔

۳۔ ادائیگی حقوق:

نظمیہ عامہ کے ضابطہ اخلاق کی ایک اور شق یہ ہے کہ عوام کے حقوق دینے، دلانے اور ان کی حفاظت کرنے میں ہمہ وقت سرگرم عمل رہے، محض روایتی اور فنی طریقے پر اپنے باضابطہ فرائض کو سرانجام دیئے جانا ہی کافی نہیں ہے۔ ہر سرکاری افسر و ملازم کو اپنے دائرہ عمل اختیار میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مظلوموں کی دادرسی ہو رہی ہے اور حقداروں کو ان کے حقوق بلا رکاوٹ اور بلا تردد مل رہے ہیں کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا اور اہل بصرہ کے نام خط بھی ارسال کیا، جس میں لکھا تھا: ''میں نے ابو موسیٰ کو تم پر حاکم بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ تمہارے کمزور انسان کو طاقتور انسان سے حق دلوائے، تمہارے دشمنوں کے خلاف جنگ کرے، تمہاری ذمہ داریاں پوری کرے۔ تمہارے مال غنیمت کی حفاظت کرے، پھر اسے تمہارے درمیان تقسیم کرے اور تمہارے راستوں کو پاک صاف کرے (۲۳)۔'' حضرت عتبہؓ کو لکھا: ''تم لوگوں کو ظلم سے بچاؤ تقویٰ اختیار کرو اور ڈرتے رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غداری یا سرکشی کی وجہ سے تمہیں زوال آجائے (۲۴)۔'' ان ہدایات میں سب سے مقدم اس بات کو رکھا ہے کہ کمزوروں کو طاقتوروں سے حقوق دلانا یا انہیں ظلم سے بچانا کیونکہ ریاست کی وہ طاقت جسے نظمیہ عامہ استعمال کرتی ہے اس کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ کمزوروں اور ناتوانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے جنہیں عموماً غالب افراد اور طبقے یا تو تسلیم نہیں کرتے یا پھر طاقت کے نشے میں پامال کرتے ہیں۔ ریاست کی قوت عملاً جبر و استبداد کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے عوام کو آزادی دلانے کے لئے استعمال ہونی چاہیئے نہ کہ ان شکنجوں کو مزید کسنے کے لئے۔ پھر آگے آپ نے کئی اور بنیادی حقوق کا ذکر کیا ہے جن کی ادائیگی خود نظمیہ عامہ نے کرنی ہے۔ وہ ایسے حقوق ہیں، جن کے لئے ایک پورا انفراسٹرکچر اور نظام کار وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو منصوبہ بندی، پالیسی سازی اور نگرانی و کنٹرول جیسے فنی ضابطوں کو بروئے کار لائے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے اہلکاروں کا یہ کام ہے کہ ایسے تمام طریقے استعمال کرے جو مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہوں۔ اسلامی معاشرے میں سرکاری ملازم حقیقی معنوں میں عوام کے خادم (Civil Servents) ہوتے ہیں۔ ان سے ظالموں کے ساتھی بننے یا خود ظلم کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی، یہ بات آپ تقرری کے وقت واضح کر دیتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ جب اپنے عاملوں کو رخصت کرتے تو انہیں فرماتے: ''میں تمہیں جابر و قاہر بنا کر نہیں بلکہ امام و رہنما بنا کر بھیجتا ہوں۔ مسلمانوں کو مار پیٹ کے انہیں ذلیل نہ کرنا، نہ ان کی تعریفیں کر کے انہیں آزمائش میں ڈالنا، ان کے حقوق

چھین کر ان پر ظلم نہ کرنا اور مسلمانوں کی سہولت اور خوشحالی کے لئے ہر طرح کا اہتمام کرتے رہنا(۲۵)۔"

روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "خدا کی قسم! میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے منہ پر چپت ماریں یا تمہارے مال چھین لیں۔ میں انہیں تمہارے پاس اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور تمہارے نبی کی سنت سکھائیں۔ جس کسی کے ساتھ دین اور سنت سے ہٹا ہوا سلوک کیا جائے اسے چاہئے کہ وہ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں متعلقہ افسر سے اس (مظلوم) کا بدلہ لے کر رہوں گا۔" یہ سن کر عمر بن العاصؓ اچھل کر کھڑے ہوگئے اور بولے: "امیر المومنین! کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی رعایا پر والی مقرر کیا گیا ہو اور وہ ان میں سے کسی کی تادیب کرے تو آپ اس سے اس آدمی کی جانب سے قصاص لیں گے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں اس سے ضرور قصاص لوں گا اور میں نے تو رسولؐ اللہ کو اپنے آپ سے قصاص دلواتے دیکھا ہے۔ سنو! تم لوگ مسلمانوں کو مار کر انہیں ذلیل وخوار نہ کرو، ان کی حق تلفیاں کر کے ان کو کفر کی طرف مت دھکیلو اور انہیں لے کر جنگلوں اور دلدلوں میں نہ گھسو کہ وہ تباہ وبرباد ہو جائیں(۲۶)"۔

آپ نے حکومتی اہلکاروں کو راستی پر قائم رکھنے، ان کی حق تلفیوں اور زیادتیوں کا ازالہ کرنے اور دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے عوام کو موقع پر ان کے حقوق دلانے کے لئے پہلی مرتبہ کھلی کچہریوں کا آغاز کیا۔ اس کا بہترین موقع اور مقام حج ہی ہوسکتا تھا تا کہ لوگوں کو اس کے لئے الگ سفر کی صعوبتیں اور اخراجات برداشت نہ کرنے پڑیں۔ اس لئے آپ کا یہ فیصلہ نہایت بصیرت افروز تھا کہ آپ ان دنوں عوام سے قریب تر رہیں، ان کی مشکلات اور مسائل سے براہ راست آگہی حاصل کریں۔ افسران کے بارے میں شکایات کو ان کے سامنے سنیں اور ان کا ازالہ کریں۔ چنانچہ آپ ہر سال ضرور حج پر جانے کا اہتمام کرتے سوائے ایک سال کے کہ ان دنوں آپ فلسطین گئے ہوئے تھے، باقاعدگی سے حج کئے۔ آپ خصوصی طور پر تمام عمال کو یہ ہدایت کرتے کہ وہ بھی حج پر آئیں۔ ایک کھلی کچہری کی روداد حسب ذیل ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو ادائیگی حقوق کی کتنا فکر تھی اور کس طرح آپ اسے یقینی بنایا کرتے تھے۔ روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حج کے موقع پر آپ سے ملیں، چنانچہ اس موقع پر یہ سب حاضر ہوئے اور آپ نے کھڑے ہو کر ان سے فرمایا: "لوگو! میں نے اپنے ان اعمال کو تم پر راست بازی کے ساتھ نگرانی کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

میں نے انہیں اس لئے عامل نہیں مقرر کیا کہ تمہارے جان و مال و عزت و آبرو پر دست درازیاں کریں لہذا جس کسی پر ان میں سے کسی نے کوئی ظلم کیا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔'' روی کہتا ہے کہ اس اعلان پر اس دن سارے عوام میں سے بجز ایک آدمی کے اور کوئی نہ اٹھا۔ اس آدمی نے کہا: ''امیر المومنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔'' عمرؓ نے دریافت کیا: ''کیا تم بھی اسے سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ ایسا ہو تو اٹھو اور اس سے قصاص لے لو۔'' یہ سن کر عمرو بن العاصؓ اٹھے اور انہوں نے آپ سے یہ کہا: ''امیر المومنین! اگر آپ اپنے عمال کے سلسلہ میں یہ پالیسی اختیار کریں گے تو یہ ان کو بہت شاق گزرے گی اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا جسے آپ کے بعد آنے والے (خلفاء) بھی اختیار کر لیں گے۔'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عامل سے اس شخص کا قصاص نہ لوں، جبکہ میں نے رسول اللہؐ کو خود اپنے سے قصاص لیتے دیکھا ہے؟ اے آدمی اٹھ اور قصاص لے۔'' پر عمرو (بن العاصؓ) نے کہا: ''اچھا تو ہمیں اس کی اجازت دیجئے کہ ہم اس شخص کو کسی طرح راضی کر لیں۔'' راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت دے دی اور لوگوں نے اس شخص کو فی کوڑا دو دینار کے حساب سے دو سو دینار دے کر اپنا حق قصاص فروخت کر دینے پر راضی کر لیا(۲۷)۔ اس روایت سے آپ کی ایڈمنسٹریشن کے چند اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اپنی پالیسیوں کو کامیاب بنانے کے لئے عمال پر سخت کنٹرول رکھتے تھے۔ دوسرا یہ کہ ان کی خاطر خواہ تشہیر کرتے تا کہ ہر خاص و عام کو علم ہو جائے کہ وہ کیا ہے۔ رائے عامہ اتنا بیدار اور مؤثر ہو کہ اپنے حقوق کا تحفظ کر سکے۔ تیسرا یہ کہ آپ لوگوں کو یہ اعتماد دیتے تھے کہ ان کی شکایات کسی صورت میں نظر انداز نہیں کی جائیں گی بروقت معاملے کا نوٹس لیا جائے گا۔ چوتھا یہ کہ سر عام زیادہ تیوں کا ازالہ سر عام کیا جائیگا، تا کہ وہ خود آئندہ اس طرح کی جرات نہ کریں اور دوسروں کے لئے بھی باعث عبرت ہو۔ پانچواں یہ کہ قصاص لینا ہر آدمی کا حق ہے اسے حاکم وقت معاف نہیں کر سکتا بلکہ اسے دلانا اس کا بنیادی فریضہ ہے۔ ہاں البتہ کسی بھی وجہ سے بلا دباؤ اگر فریقین راضی نامہ کر لیں تو یہ امن اور ان کے باہمی تعلقات کے لئے زیادہ مفید ہے۔ ایڈمنسٹریٹر کو اس میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ حقوق کی ادائیگی اور ازالہ کے لئے آپ ہر قدم اٹھانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس کے لئے ہر سختی کو درست سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''میں کسی کو کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کا موقع نہ دوں گا۔ ایسا کرنے والے کا ایک گال زمین پر ہوگا اور دوسرا میرے قدموں کے نیچے تا آنکہ وہ حق کے آگے سپر ڈال دے(۲۸)''۔ اس سلسلے میں آپ خود اپنا احتساب کرتے تھے کہ کہیں آپ سے زیادتی سرزد نہ ہو جائے۔ غلطی کی صورت میں خود اپنی ذات کو بھی قصاص

کے لئے پیش کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نے کسی بات پر ایک آدمی کو سزا دی تو وہ بولا: ''میں تو ان دو آدمیوں سے بھی زیادہ محتاط ہوں ایک وہ آدمی جو پہلے نادان تھا پھر اسے علم ہو گیا۔ دوسرا وہ آدمی جس نے کوئی غلطی کی تو اسے معاف کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: ''تو نے سچ کہا تو مجھ سے بدلہ لے لے۔'' راوی کا بیان ہے کہ اس آدمی نے آپ کو معاف کر دیا(۲۹)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے کچھ مردوں اور عورتوں کو جو ایک حوض پر بھیڑ لگائے ہوئے تھے مارا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپ کی ملاقات حضرت علیؓ سے ہو گئی، تو انہوں نے آپ سے پوچھا (کہ کیا بات ہے) آپ نے فرمایا: ''(میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کے سبب) مجھے ڈر ہے کہ میں ہلاکت کا لقمہ بن گیا۔'' اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: ''اگر آپ نے ان لوگوں کو کسی دشمنی یا کینہ و بدخواہی کے سبب مارا ہے تو بلاشبہ آپ نے اپنی ہلاکت مول لے لی، لیکن اگر آپ نے خیر خواہی اور اصلاح کے جذبے کے تحت مارا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ کی حیثیت ہی نگران کی ہے۔ آپ کا تو کام ہی ادب اور سلیقہ سکھانا ہے(۳۰)''۔ آپ لوگوں کو بار بار ان کے حقوق اور اپنی ذمہ داریاں گنواتے تاکہ وہ آپ کی حکومت کی کارکردگی کو عمل کے پیمانوں سے ماپیں اور عدم اطمینان کی صورت میں دنیا ہی میں سارے حقوق وصول کر لیں۔ ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''لوگو! مجھ پر تمہارے سلسلہ میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جن کو میں تمہارے سامنے گناتا ہوں۔ تمہیں چاہیے کہ ان کے بارے میں میرا احتساب کرتے رہو۔ میری ذمہ داری ہے کہ تمہارے خراج اور فئے کی رقمیں ان کے مقررہ طریقوں سے ہی وصول کروں اور یہ کہ جب یہ اموال میرے ہاتھ میں آجائیں تو انہیں مناسب مصارف میں صرف ہوں۔ تمہارے سلسلہ میں میری ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ انشاء اللہ میں تمہارے عطایا اور وظائف میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کروں نیز میری ذمہ داری ہے کہ تمہیں ہلاکت کے منہ میں نہ دھکیلوں اور (گھر سے دور) سرحدوں پر زیادہ طویل عرصہ نہ مامور کئے رہوں(۳۱)''۔

آپ کی ان واضح پالیسیوں سے لوگ مطمئن رہتے تھے۔ وہ آپ اور آپ کی ایڈمنسٹریشن کے دل و جان سے گرویدہ رہتے تھے۔ آپ لوگوں کو اعتماد میں لینے کے لئے ان کے سامنے یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب تھے، جو دورۂ شام کے موقع پر آخری تقریر میں آپ نے کیا تھا اور خلق خدا اس کی گواہ تھی: ''تم آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے دور خلافت میں تمہارے وہ تمام حقوق ادا کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مقرر کئے ہیں، ہم نے تمہارے

مال غنیمت اور گھروں کی تقسیم میں عدل وانصاف سے کام لیا۔اس طرح تمہارے جنگی امور میں بھی انصاف کیا اور جو تمہارے حقوق تھے وہ سب ادا کئے۔ہم نے تمہارے لئے فوجوں کا انتظام کیا۔تمہاری سرحدوں کی حفاظت کی،تمہیں آباد کیا اور جہاں تک تمہارا مال غنیمت حاصل ہوا اس کے مطابق ہم نے تمہیں وسیع حصہ دیا اور تمہاری غذائیں پوری کیں ہم نے حکم دیا کہ تمہیں عطیات اور وظائف دیئے جائیں اور تمہیں ہر ممکن امداد دی جائے جسے کچھ معلومات حاصل ہوں اسے چاہئے کہ وہ اس پر عمل بھی کرے اور ہمیں بھی اطلاع دے انشاء اللہ ہم اس پر عمل کریں گے تمام اختیار اللہ ہی کو حاصل ہے (۳۲)۔''حقوق کی ادائیگی کا عظیم کام منتظمین کیسے سرانجام دے سکتے ہیں؟اس بارے میں آپ نے نہایت اہم انتظامی گر بتایا ہے۔روایت میں آتا ہے عمر بن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ''(امور مسلمین کی تدبیر کا) یہ کام اسی وقت خوش اسلوبی سے انجام پاسکتا ہے جب کہ جبر وظلم سے کام لئے بغیر سختی برتی جائے اور کمزوری دکھائے بغیر نرمی کا سلوک کیا جائے (۳۳)۔''

۴۔ سادہ زندگی:

فاروق اعظمؓ کے نزدیک سرکاری اہلکاروں کے ضابطۂ اخلاق میں ایک بات سادہ زندگی بھی ہے۔اس کا لباس،رہن سہن،خورد ونوش اس وقت کے اوسط درجے کے آدمی کے برابر ہونا چاہئے تاکہ ان ہوتو وہ نفسیاتی اور ذہنی طور پر کسی فخر وگھمنڈ میں مبتلا ہوں اور نہ ہی عملی طور پر ان کے اور عوام کے معیار زندگی میں ایسا فرق ہو کہ وہ مختلف طبقات میں شمار ہوں۔معاشرے میں ان کی عزت ووقار اور محبت وعقیدت کی بنیاد عوامی خدمت ان کے ساتھ اخلاص وہمدردی،عدل وانصاف اور ان سے گہرا سماجی تعلق ہو۔وہ انہیں اپنے میں سے ہی اور اپنے ہی جذبات واحساسات کا ترجمان اور اپنے ہی مفادات کا محافظ سمجھیں۔یہ وہ چیز ہے جو حاکم ومحکوم اور منتظمین وکار کنان کے فرق کو مٹادیتی ہے۔ان کے باہمی تعلقات کو مضبوط کر کے انہیں''بنیان مرصوص'' کی شکل میں ڈھال دیتی ہے۔بڑے بڑے عہدوں کی کشش اور مادی لالچ اور ان کا سماجی کردار اعتدال پر آجاتا ہے۔ان کے پیچھے لپکنے کا رجحان ختم ہوجاتا ہے۔لوگ انہیں عظیم ذمہ داری ناگزیر بوجھ اور امانت سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ان کے تقاضے پورا کرنے کے لئے اپنا تن،من،دھن لگادیتے ہیں۔آپ کا اپنا طرز عمل بھی انتہائی سادگی کا تھا اور اپنے عمال کو بھی اس کا پابند بناتے تھے۔اس کی وجہ سے نہ تو آپ کے عہد میں عزت وتوقیر،انتظامی گرفت اور شان میں کمی آئی اور نہ ہی بعد کے ادوار میں اس کی وجہ سے آپ کو کمتر سمجھا جاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے

کامیاب حکمران و منتظم قرار پائے ،لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے اور آپ کے رعب و دبدبے کو مثبت شکل دینے میں ایک اہم کردار اس زہد و سادگی کا بھی تھا۔ دور جدید میں اعلیٰ سے اعلیٰ کوٹھیاں، دفاتر کاریں اور دیگر سہولیات رکھنے والے افسران اس سے محروم ہیں۔ حضرت عمرؓ اس امر کو قطعاً جائز نہیں سمجھتے تھے کہ امت کے مال میں سے ضرورت کے بغیر کچھ بھی صرف کیا جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ''میرے نزدیک یہ مال ایسا ہے کہ تین باتیں پائی جائیں تو یہ مال صحیح ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مال حق کے مطابق لیا جائے حق کے مطابق دیا جائے ، لینے اور دینے میں ناجائز طریقے اختیار نہ کئے جائیں تمہارے مال کے سلسلہ میں میری مثال مال یتیم کے ولی کی سی ہے یعنی اگر میرے پاس مال ہو اور مجھے اس مال میں سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو میں اس مال سے احتراز کروں گا اور اگر میں فقیر ہوں گا تو میں جائز طریقے سے اپنے کھانے کے لئے لے لوں گا(۳۴)۔''

حضرت عمرؓ نے ایک ایسی مجلس میں جس میں احنف بن قیس بھی تھے خود اس امر کی تحدید کی کہ انہیں امت کے مال سے کس قدر لینے کی اجازت ہے چنانچہ احنف بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ ایک لونڈی آئی۔ ہم نے کہا کہ یہ امیر المومنینؓ کی لونڈی ہے۔ اس نے کہا کہ ''میں نہ امیر المومنینؓ کی لونڈی ہوں اور نہ ان کے لئے حلال ہوں بلکہ میں اللہ کا مال ہوں۔'' راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ واپس چلی گئی اور حضرت عمرؓ باہر آئے اور آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ ''تمہارا کیا خیال ہے میرے لئے اللہ کا مال کس حد تک حلال ہے؟'' ہم نے کہا کہ ''امیر المومنینؓ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔'' آپ نے پھر پوچھا ہم نے پھر وہی جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتادوں کہ میں اس میں سے کیا حلال سمجھتا ہوں۔ بس حج اور عمرہ کے لئے ایک سواری، سردی اور گرمی کا لباس اور پیٹ بھرنے کے بقدر اہل خانہ کی روزی اور وہ حصہ جو مسلمانوں کو ملتا ہے کیونکہ میں بھی مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔'' معمر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب حج اور عمرہ کے لئے جاتے تھے تو آپ کے پاس صرف ایک اونٹ ہوتا تھا(۳۵)۔ یہ بیت المال سے آپ کی تنخواہ کا معیار تھا اس کی سطح اوسط درجے کے آدمی کے برابر تھی اس میں اضافی اخراجات مثلاً پھل وغیرہ شامل نہیں تھے۔ چنانچہ بیہقی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپ اور اپنے اہل وعیال کا کھانا بیت المال سے لیتے اور پھل آپ اپنے جیب خاص سے خریدا کرتے تھے(۳۶)۔

بقول رواس یہ سالن بھی جس کا بوجھ آپ بیت المال پر ڈالتے تھے حد درجہ معمولی ہوا کرتا تھا اور کسی طور پر بھی وہ اس سالن سے بہتر نہ ہوتا جو اس وقت کے تنگدست گھرانوں کو میسر آتا تھا اور اس معاملہ میں حضرت

عمرؓ تمام مسلمانوں کی خوشحالی اور تنگ حالی کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ اگر مسلمانوں پر خوشحالی ہوتی تو حضرت عمرؓ اپنے لئے بھی نسبتاً سہولت اختیار فرماتے اور اگر مسلمانوں پر تنگی کا دور ہوتا تو حضرت عمرؓ بھی اپنے اہل وعیال کے لئے تنگی برقرار رکھتے۔ لوگوں نے تنگی اور قحط سالی کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال کے لئے تنگی برقرار رکھتے خود دیکھا اور یہ بھی کہ آپ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود اس معیار کی غذا استعمال نہ فرماتے جو آپ کو اپنے گراں بار فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے قوت بخش ہو (۳۷)۔ چنانچہ ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت مطیع اور عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان سب نے آپؓ سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور کہا کہ اگر آپؓ عمدہ غذا استعمال کرتے تو وہ آپ کو حق کی خدمت کے لئے زیادہ قوت مہیا کرتی۔ آپؓ نے فرمایا: ''کہ کیا تم سب کی یہی رائے ہے؟'' سب نے کہا: ''جی ہاں!'' تو آپ نے کہا کہ ''مجھے معلوم ہے کہ تم خیر خواہی سے بات کر رہے ہو لیکن میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو اسی راستے پر دیکھا ہے۔ اگر میں ان کا راستہ چھوڑ دوں گا تو ان کی منزل پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا (۳۸)۔'' ایک مرتبہ لوگوں پر قحط کا سال آیا تو حضرت عمرؓ نے سارا سال گھی استعمال نہ کیا اور نہ کوئی روغنی چیز تا آنکہ قحط دور ہو گیا اور لوگ خوشحال ہو گئے (۳۹)۔ قحط کے سال حضرت عمرؓ تیل سے روٹی کھاتے رہے، یہاں تک کہ آپؓ کے پیٹ سے قر قر کی آواز آنے لگی مگر آپ نے فرمایا کہ ''خواہ تو کتنا ہی قر قر کر جب تک گھی فراوانی سے بازار میں نہیں آجاتا تجھے اسی طرح تیل کھانا پڑے گا (۴۰)۔'' امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ گھی سے روٹی کھا رہے تھے کہ آپؓ نے ایک شخص کو بلایا جو دیہات سے آیا تھا۔ وہ بھی کھانے میں شریک ہو گیا اور لقمے پر لقمہ لینے لگا اور پیالہ پر لگا ہوا گھی چاٹنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ تم تنگدست ہو تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے اتنی مدت سے گھی نہیں کھایا اور نہ کسی کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ''میں گھی نہیں کھاؤں گا جب تک کہ لوگ اسی طرح کی غذا نہ کھانے لگیں جیسی پہلے کھایا کرتے تھے (۴۱)۔''

آپؓ نے اپنی خورد ونوش کا معیار اس لئے عام آدمیوں کی سطح پر رکھتے تھے تاکہ آپ کو ان کی مشکلات و تکالیف کا احساس رہے اور آپ کی آل اولاد بھی اپنے آپ کو عوام ہی کے برابر سمجھے۔ جہاں تک آپ کے لباس کا تعلق ہے وہ بھی آپ کے فرمان کے عین مطابق ہوتا تھا یعنی ایک جوڑا گرمیوں میں اور ایک سردیوں میں اسی طرح عہد خلافت گزار دیا۔ جو لباس پہنتے تھے اس پر کئی کئی پیوند ہوتے تھے۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب کی تہبند میں بارہ پیوند تھے جن میں بعض چمڑے کے تھے حالانکہ وہ امیر المومنین تھے (۴۲)۔ حضرت انس

بن مالکؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے بدن پر تہہ بند دیکھی جس میں چودہ پیوند تھے بعض چمڑے کے تھے۔ان کے بدن پر کرتا تھا نہ کسی چادر کا عمامہ بندھا ہوا تھا۔ان کے پاس درہ تھا اور مدینے کے بازار میں گھوم رہے تھے (۴۳)۔ایک مرتبہ آپ جمعہ کی نماز میں تاخیر سے پہنچے آپ نے ایک سنبلانی کرتہ پہنا ہوا تھا۔آپ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں سے معذرت کی اور فرمایا:''مجھے صرف اس کرتے نے روکا میرے پاس سوائے اس کے دوسرا کرتہ نہ تھا اور یہ سیا جا رہا تھا۔''ایک اور روایت کے مطابق اس کا حال یہ تھا کہ آپ اپنی آستین کو کھینچنے لگے، جب چھوڑتے تو آپ کی انگلیوں کے کناروں کی طرف پلٹ جاتی (۴۴)۔آخری مرتبہ جب شام کے علاقوں میں تشریف لے گئے تو مہاجرین وانصار کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔آپ ایلہ پہنچے تو وہاں کے بشپ کو اپنی قمیص اتار کر دی جو طویل سفر کی وجہ سے پھٹ گئی تھی۔آپ نے فرمایا:''تم اسے دھلوا کر اور پیوند لگوا کر دو۔''وہ قمیص لے گیا اور اسے دھلوا کر اس میں پیوند لگوا دیا اور اس جیسی دوسری قمیص بھی سلوا کر ساتھ لے آیا۔آپ نے پوچھا:''یہ کیا ہے؟''بشپ نے کہا:''یہ قمیص تو آپ کی ہے جو میں نے دھلوادی ہے اور پیوند لگوا دیا ہے اور یہ دوسری میری طرف سے ہے۔''آپ نے اسے دیکھ کر واپس لوٹا دیا اور فرمایا:''میری قمیص پسینے کو زیادہ جذب کرتی ہے (۴۵)۔''اس موقع پر ابو عبیدہؓ نے لباس بدلنے کا مشورہ دیا تو آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:''ہماری عزت اسلام سے ہے (۴۶)۔''ایک مرتبہ آپ نے حج پر آنے جانے میں صرف پندرہ سولہ دینار یا ایک سو اسی درہم صرف کیے۔اس پر بھی آپ اپنے بیٹے حضرت عبیداللہ بن عمرؓ سے کہنے لگے:''ہم نے اس مال میں اسراف کیا (۴۷)۔''مدینے سے آنے جانے میں نہ تو کوئی خیمہ نصب کیا اور نہ ہی کسی عمارت کا سایہ لیا صرف چمڑے کو بچھونا اور چادر درخت پر ڈال کر آرام کر لیتے (۴۸)۔

یہ آپ کی سادگی کی بیسیوں مثالوں میں سے صرف چند نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ایسی حالت میں جب کہ آپ حکومت کے اعلیٰ ترین انتظامی عہدے پر فائز تھے۔اپنی عملی زندگی کا یہ درخشندہ اسوہ پیش کرنے کے بعد آپ یہ استحقاق رکھتے تھے کہ اپنے عمال اور رعایا کو بھی سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کر سکیں۔آپ کے ماتحتوں پر یہ واجب تھا کہ آپ کی خواہش کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ایک مرتبہ آپ کھانا سامنے رکھ کر کھانے ہی والے تھے کہ غلام نے آ کر اطلاع دی کہ (آپ کے ایک عامل) عتبہ ابی فرقد دروازے پر کھڑے ہیں، آپ نے انہیں اندر بلوا لیا۔انہوں نے دیکھا کہ آپ کے سامنے روٹی اور زیتون رکھا ہے۔حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ ''قریب آؤ، پھر انہیں کھانے میں سے کچھ دیا۔''وہ کھانا کھانے لگے تو اتنا بدمزہ تھا کہ نگل ہی نہ سکے، کہنے

لگے: ''امیر المومنینؓ! کیا آپ کے لئے عمدہ کھانا (مائدہ) نہیں ہے؟'' آپ نے جواب دیا: ''کیا وہ تمام مسلمانوں کے لئے ہوسکتا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں!'' پھر آپ نے فرمایا: ''اے عتبہ تم پر افسوس ہے کیا تم چاہتے ہو کہ میں (چندروزہ) دنیوی زندگی میں مزیدار کھانا کھاؤں؟(۴۹)۔''

آپ کے عمال بھی آپ ہی کے طرز عمل کی عموماً پیروی کرتے تھے کیونکہ آپ کے مقرر کردہ ضابطہ اخلاق میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل تھی، چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے گورنر مقرر کئے گئے تھے۔ وہ کھردرے اون کا موٹا لباس پہنتے تھے۔ ایک بار ان کے کچھ قریب تر لوگوں نے ان سے کہا: ''ہمارے گردونواح میں دشمن رہتے ہیں آپ ماشاءاللہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے گورنر ہیں آپ بھی اس نواح کے حکمرانوں کی طرح ذرا ٹھاٹھ باٹھ اور شان وشوکت سے رہا کریں تا کہ ان پر آپ کا اچھا اثر پڑے۔'' عبیدہ بن جراحؓ نے جواب دیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں میں جس طرح زندگی بسر کرتا تھا کیا اسے ترک کردوں؟(۵۰)۔'' حضرت عمرؓ کے مقررہ ایک اور عامل حضرت سلمان فارسیؓ تھے جو مدائن کے گورنر مقرر کئے گے تھے۔ وہ موٹے صوف کا لباس پہنتے تھے اور گدھے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے تھے، جو کی روٹی کھاتے تھے اور ہمیشہ ریاضت الٰہی میں مصرف رہتے تھے(۵۱)۔ آپ کے ایک اور عامل حضرت سعید بن عمر کا ذکر پہلے ہوچکا ہے کہ وہ اپنا کھانا بھی خود تیار کرتے تھے، کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا اسے بھی خود ہی دھوتے تھے اور سکھا کر پہنتے تھے(۵۲)۔ آپ عمال کو خطوط کے ذریعے بھی عیش وعشرت سے اجتناب کرنے کی تلقین فرماتے تھے تا کہ وہ سادگی کو اپنائیں۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ ہم لوگ آذربائیجان میں تھے کہ حضرت عمرؓ کا ایک خط ہم تک پہنچا۔ اس میں لکھا تھا: ''عتبہ بن فرقد تمہیں عیش وعشرت سے گریز لازم ہے، مشرکوں کے لباس اور ریشم سے پرہیز بھی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعیش سے باز رہنے کا حکم دیا ہے(۵۳)۔''

آپ لباس کو اعتدال میں رکھنا چاہتے تھے اور اس کو ایک تہذیبی علامت سمجھتے تھے۔ آپ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ غیر مسلم قوموں کا تشبہ اختیار کرنا اور عیش کوشی میں ان کا مقابلہ کرنا مسلمانوں کے تشخص اور اعلیٰ اوصاف کو گھن کی طرح کھا جائے گا۔ خاص طور پر عربوں کی روایتی خصوصیات گہنا جائیں گی چنانچہ فرمایا: ''تم لوگ لباس کا پورا پورا حق ادا کرسکتے ہو مگر شرط یہ ہے کہ تمہاری بدوی سخت کوشی اور مردانگی قائم رہے اور تمہیں آل عدنان ہونے کا احساس رہے، مسلمانوں کو عجمی قوموں کے تنعم سے دور رہنا چاہئے اور ان کی پیرایہ پوشی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ریشم اور حریر پہننے سے انہیں خاص طور پر گریز کرنا چاہئے اس لئے کہ سردار دو جہاںؐ نے منع فرمایا

ہے(۵۴)۔'' آپ یہ چاہتے تھے کہ عمال کے ساتھ ساتھ معاشرے کے معززین میں کفایت شعاری کو اپنائیں اور معاشرے کے غریبوں اور ناداروں کا لحاظ کریں کیونکہ اگر وہ اپنے معیار زندگی میں بہت زیادہ بلندی وتفاوت پیدا کریں گے تو ان کے دلوں میں احساس کمتری پیدا ہوگا اور یہ کبھی نفرت میں تبدیل ہو کر معاشرے کی بنیادوں کو ہلا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہؓ کو تحریر کیا کہ وہ بصرہ کی فوج میں سے دس افراد کا ایک وفد بھیجیں چنانچہ حضرت عمرؓ کی طرف ایک وفد روانہ ہوا جس میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے سوالات کئے، انہوں نے کہا: ''لوگ اس حالت پر ہیں کہ جیسا آپ چاہتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اب تم اپنے ٹھکانوں پر جاؤ۔'' چنانچہ وہ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے آپ نے ان کے لباس پر نگاہ ڈالی تو آپ نے کپڑا دیکھا جو باہر نکلا ہوا تھا۔ آپ نے اس کو سونگھا پھر فرمایا: ''یہ کس کا ہے؟'' حضرت احنف نے کہا: ''میرا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تم نے یہ کتنے میں خریدا؟'' انہوں نے کہا: ''تقریباً آٹھ (درہم) اس کی قیمت بتائی اور اصل قیمت سے کچھ کم رقم بتائی کیونکہ انہوں نے بارہ درہم میں اسے خریدا تھا۔'' آپ نے فرمایا: ''تم نے اس سے کم کا (لباس) کیوں نہیں خریدا۔ تم اس سے زائد رقم سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچا سکتے تھے۔ تم فضول خرچی سے بچو تا کہ تم جانی اور مالی فائدہ حاصل کر سکو۔ اسراف مت کرو ورنہ تمہیں جانی اور مالی دونوں صورتوں میں نقصان ہوگا(۵۵)۔'' حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ کی سادگی کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے بالکل بجا فرمایا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ وعمرؓ کو قیامت تک کے بادشاہوں کے لئے حجت بنایا ہے۔ خدا کی قسم وہ دونوں سبقت لے گئے اور اپنے بعد آنے والوں کو مشکل میں ڈال گئے، ان کی یاد امت کو غمگین کرتی ہے اور سرداروں کے لئے موجب طعن ہے(۵۶)''۔ آپ کے اس ضابطہ اخلاق سے عوامی مناصب پر فائز افسروں کے لئے عصر حاضر میں حالات وزمانہ کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب ذیل رہنما اصول مقرر کئے جا سکتے ہیں۔

☆ عمال کا معیار زندگی عیاشانہ ور طبقہ وارانہ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اوسط درجے کا ہوتا کہ پورے اعتماد کے ساتھ اوپر نیچے والے لوگوں کے درمیان رہ سکیں۔ آپ نے اپنی ذات کے معاملے میں جو سختی کی اسے دوسرے عمال پر اس طرح لاگو نہیں کیا کہ وہ بھی پھٹے ہوئے کپڑے پہنیں، ہاں البتہ ایک مثال قائم کر دی کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔

☆ اوسط درجے کا معیار حتمی طور پر مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا تعلق کسی بھی ملک اور زمانے کے معاشی

حالات سے ہے۔اس لئے سادہ زندگی کی سطح بھی لازمی طور پر بلند ہوگی۔آپ کے عہد میں عہد نبوی کے مقالے میں بے پناہ ترقی وفراخی ہوئی۔پورے معاشرے کا معیار بلند ہوا۔آپ نے خود اس میں اہم کردار ادا کیا۔آپ نے صرف عیش کوشی اور اسراف سے منع فرمایا، ہاں البتہ اپنی ذات کو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معیار پر رکھا۔یہاں تک صحابہ کرامؓ نے مل کر کوشش کی کہ اپنے معیار کو دوسرے لوگوں کی طرح بلند کریں، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔دور جدید میں نظمیہ عامہ سے وابستہ لوگوں کو ملک کے مجموعی حالات کے سامنے رکھ کر زندگی گزارنی چاہیئے جو سادگی کے زمرے میں آئے نہ کہ عیاشی کے۔

☆ ناگہانی آفات اور قحط سالی کے دنوں میں عمال وافسران کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مشکلات و تکالیف میں لوگوں کے ساتھ شریک ہوں۔اپنے معیار میں کمی کر کے ذاتی اور سرکاری وسائل کو عوام کی مشکلات و تکالیف دور کرنے میں لگادیں۔عام حالات میں جو معیار ان کے لئے مباح تھا اب مکروہ اور حرام کے درجے میں آسکتا ہے۔

☆ افسران کو اپنی تنخواہ اور آمدنی کے مطابق معیار کا تعین کرنا چاہیئے۔اگر ان کی آمدنی کے دیگر جائز ذرائع ہوں تو غرور وتکبر کی خاطر نہیں، بلکہ شریفانہ طور پر حقیقی ضروریات کے مطابق کچھ اضافہ کر سکتے ہیں۔آپ نے علاقائی ضرورت اور حکمت کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ کے فراخی اختیار کرنے کو نظر انداز کیا تھا۔

☆ جہاں تک سرکاری وسائل کا تعلق ہے ان کا ذات کی خاطر یا نمود ونمائش پر بے دریغ استعمال یا سرکاری اجلاسوں میں اللے تللے کرنے سے آپ نے خود بھی مکمل طور پر اجتناب کیا اور افسران کو بھی ایسا نہیں کرنے دیا۔ اخراجات صرف اس قدر ہونے چاہئیں جو بہت ضروری ہوں اور مکمل کفایت شعاری اختیار کرنی چاہیئے۔

☆ آپ نے لباس، خورد ونوش، طرز زندگی وغیرہ میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ سے سختی سے منع کر دیا کیونکہ وہ تہذیبی وثقافتی معاملہ ہے۔افسران کی طرف سے انہیں اختیار کرنا لوگوں کے لئے باعث تقلید بن سکتا ہے۔اس سے پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔اس لئے آپ نے حدیث کی بنیاد پر اس سے سختی سے روکا اور ہدایات دیں۔

۵۔ معتدل رویہ:

پبلک ایڈمنسٹریشن کا براہ راست عوام کے ساتھ تعلق ہوتا ہے لوگ چاہیں یا نہ چاہیں بے شمار معاملات میں لوگوں کو ان سے واسطہ پیش آتا ہے۔اجتماعی مشکلات کا حل ان کے پاس ہوتا ہے حکومت کی پالیسی اور

فیصلوں کا نافذ کرنے کے لئے انہیں عوام سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔اس صورتحال میں اکثر و بیشتر افسران کا رویہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، وہ انتظامی معاملات کو بنا بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی۔ پھر ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف افراد گروہوں قومیتوں مذہبوں اور علاقے کے لوگوں کے مزاج وطبائع مختلف ہوتے ہیں۔ان سے معاملہ کرتے وقت ایک منتظم کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کو سامنے رکھے، اس طرح یہ ایک فنی معاملہ بن جاتا ہے۔نظمیہ عامہ کے ضابطہ اخلاق میں یہ بات شامل ہے کہ اس کا رویہ نہایت معتدل ہواس سے مراد یہ ہے کہ سختی اور نرمی دونوں کو استعمال کرنے میں توازن سے کام لیا جائے۔صورتحال کے مطابق جب جہاں اور جتنی ضرورت ہو اتنا ہی انہیں استعمال کیا جائے۔آپ نے انتظامی معاملات کے بارے میں فرمایا:''یہ کام اسی وقت خوش اسلوبی سے انجام پاسکتا ہے جبکہ ظلم و جبر کے بغیر سختی برتی جائے اور کمزوری وسستی دکھائے بغیر نرمی کا سلوک کیا جائے (۵۷)''۔

یہ نہایت اہم پہلو ہے کہ ریاست کو امن وامان، نظم وضبط اور ظلم واستحصال کے خاتمے کے لئے اور بسا اوقات مفاد عامہ کے سلسلے میں اہم پالیسیوں کو نافذ کرنے کے لئے مختلف اداروں کے ذریعے سخت موقف اور طریقہ کار اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن اس میں ظلم اور جبر نہیں ہونا چاہئے بلکہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ طاقت اور قانون کا اندھا اور بے دریغ استعمال ریاست کی ساکھ اور وقار کو ختم کر دیتا ہے۔عوام اور افسران کے مابین ایسی دوریاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو پاٹنا محال ہو جاتا ہے اور مسائل میں ہیں زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔یہی نرمی کا معاملہ ہے اگر حکومتی ادارے کسی معاملے کو اس حد تک بگاڑ لیتے ہیں کہ اس میں مجبوراً نرمی کرنی پڑتی ہے تو یہ ان کی کمزوری کا پہلو ہوتا ہے۔اس سے عوام کے ردعمل میں ایسے رجحانات کو تقویت ملتی ہے جب چاہیں مجبور کر کے وہ چیز حاصل کرلیں جس کا نہیں حق حاصل نہیں ہے۔حضرت شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کسی علاقے پر کسی کو حاکم مقرر کر کے بھیجتے تو آپ ان کے بارے میں فرماتے:''اے اللہ! میں نے انہیں اس لئے مقرر نہیں کیا ہے کہ لوگوں کا مال چھینیں اور انہیں زدوکوب کریں، جو حاکم کسی پر ظلم کرے تو وہ میرے نزدیک حکومت کے لائق نہیں (۵۸)''۔

محمد بن زید سے مروی ہے کہ علیؓ اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعدؓ سب مل کر جمع ہوئے ان میں سب سے زیادہ حضرت عمرؓ سے بے باک (بے تکلف) عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ سب نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ'' آپ امیر المومنین سے لوگوں کے لئے گفتگو کرتے (تو بہتر ہوتا) کیونکہ انسان

طالب حاجت بن کر آتا ہے، اسے آپ کی ہیبت اپنی حاجت بیان کرنے سے روکتی ہے اور وہ بغیر اپنی حاجت بیان کئے واپس چلا جاتا ہے۔'' عبدالرحمٰنؓ ان کے پاس گئے اور کہا: ''اے امیرالمومنینؓ! لوگوں پر نرمی کیجئے کیونکہ آنے والا آتا ہے، اسے آپ کی ہیبت حاجت بیان کرنے سے روک دیتی ہے وہ بغیر اپنی حاجت بیان کئے واپس چلا جاتا ہے آپ سے گفتگو نہیں کرتا۔ فرمایا اے عبدالرحمٰن میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ کیا علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ نے تمہیں اس بات کا مشورہ دیا؟'' انہوں ے کہا: ''جی ہاں!'' فرمایا: ''اے عبدالرحمٰنؓ! واللہ میں لوگوں کے لئے نرم ہوگیا تھا، مگر نرمی میں بھی اللہ سے ڈرا پھر میں نے ان پر سختی کی یہاں تک کہ سختی میں بھی اللہ سے ڈرا پھر رہائی کی کون سی صورت ہے'' عبدالرحمٰنؓ اپنی چادر کو کھینچتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ ''آپ کے بعد لوگوں کے لئے افسوس ہے، آپ کے بعد لوگوں کے لئے افسوس ہے(۵۹)۔'' ایک مرتبہ قریش کے ایک فرد نے آپ سے کہا: ''آپ کچھ نرم ہو جایئے آپ کی ہیبت نے لوگوں کو لرزا دیا ہے۔'' آپ نے پوچھا: ''میری ہیبت میں ظلم تو شامل نہیں؟'' کہنے والے نے کہا: ''نہیں!'' آپ نے فریاما: ''اللہ میری ہیبت کو اور زیادہ کرے(۶۰)۔'' یہی فرق ہے رویے کے صحیح اور غلط ہونے کا۔ افسران کا رعایا پر رعب بذاب خود کوئی بری چیز نہیں، اس کا ہونا انتظامی معاملات میں مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس وجہ سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ ان سے ظلم وزیادتی کا خطرہ ہے، تو اس کا اثر بالکل مختلف ہوگا، معزز شریف اور نیک لوگ ان سے دور ہوتے جائیں گے ایسی ایڈمنسٹریشن ظالمانہ ہوگی۔ رعایا کبھی بھی دلی و ذہنی اعتبار سے اس کو اپنا نہیں سمجھے گی اس کی ہمدرد و خیر خواہ نہیں ہوگی۔ حدیث نبوی کی رو سے ایسا حاکم سب سے برا ہوتا ہے لوگ جس کے شر کے خوف کی وجہ سے اس کی عزت کریں۔ اس کے برعکس اگر عدل کی وجہ سے لوگ ہیبت زدہ ہیں تو یہی چیز امن و امان مین مددگار رہوتی ہے۔ ماتحت عملہ اور عوام ایک دوسرے پر ظلم وزیادیتی سے باز رہتے ہیں۔ فاروق اعظمؓ کا یہی تاثر تھا جو اتنی وسیع وعریض سلطنت میں امن وامان کی بنیاد تھا اسی کے اضافے کے لئے آپ نے دعا فرمائی۔ دور جدید میں بھی ہر افسر کے دائرۂ عمل میں اس تاثر کا عملی بنیادوں پر قائم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے دل میں ان کے لئے رحم اور ان کے دلوں میں میرا رعب بٹھا دیا ہے(۶۱)۔''

معتدل رویے کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ سختی و نرمی کی اصل اساس کیا ہے؟ اگر ان دونوں کے پیچھے اصل محرک رحم وشفقت کا جذبہ ہو اور خلوص وخیر خواہی پائی جاتی ہو، معاشرے کی بھلائی اور اجتماعیت کا مفاد

ہو تو اس کی کیفیت اور اثرات بالکل مختلف ہوں گے، جس طرح گھر کے نظام میں والدین کرتے ہیں۔ اس میں اعتدال وتوزن پایا جاتا ہے۔ کبھی بدخواہی وضرر کا شائبہ پیدا نہیں ہوتا نتائج بھی مفید ہوتے ہیں۔ رعایا سے رویوں میں بھی اسی طرح گھر کا ماحول اور پدرانہ شفقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے نام کسی عہدہ پر تقرری کا فرمان لکھ دیا۔ اتنے میں آپ کے خاندان کا ایک بچہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا اور اسے بوسہ دیا، عہدیدار بولا: ''میں نے آج تک کسی بچے کو گود میں نہیں بٹھایا نہ ہی بوسہ دیا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم ومحبت کے جذبات چھین لئے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحیم وکریم ہوتے ہیں۔'' یہ کہہ کر آپ نے تقرری کا فرمان اس کے ہاتھ سے واپس لے لیا(۶۲) اور فرمایا: ''بخدا! تو لوگوں کے لئے نہایت کم رحمت رکھتا ہے میری سلطنت میں تو کسی عہدے پر فائز نہیں ہوگا(۶۳)'' بالکل اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے بنو اسد کے ایک شخص کو اس بنا پر منصب سے محروم کر دیا کہ اس نے بچوں سے شفقت کے اظہار پر تعجب کا اظہار کیا تھا(۶۴)۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ''آخرت کے معاملے کو چھوڑ کر ہر چیز میں رعایت اور داد ودہش دی جا سکتی ہے(۶۵)۔''

اگر کسی کو کسی جرم میں سزا دی جائے تو اسے ہمیشہ برا نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ اگر وہ آئندہ کے لئے صحیح راہ اختیار کر لیتا ہے تو وہ قابل عزت اور مستحق توجہ ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''اپنے گناہوں سے تائب ہونے والوں کی صحبت اختیار کرو، یہ لوگ دل کے بڑے رقیق ہوتے ہیں۔'' ایک اور مرتبہ ارشاد ہوا: ''انسان کسی کام میں خطا کار ثابت ہوتا ہے تو اس کے بعد اگر رنج وملال میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی تقصیر کے گناہ دھل جاتے ہیں(۶۶)۔'' انسان ہونے کی حیثیت سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ حکومتی اہلکار کا رویہ کسی بھی وجہ سے اعتدال سے ہٹ جائے۔ ایسی صورت میں اسے خود اپنا احتساب کرنا چاہئے۔ آپ کا اپنا طرز عمل بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

حضرت احنفؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ تھا، آپ کو ایک شخص ملا اس نے عرض کی: ''امیر المومنینؓ میرے ساتھ چلئے اور فلاں شخص پر میرا انصاف کیجئے کیونکہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔'' آپ نے اس کے سر پر اپنا درہ مار کر فرمایا: ''تم لوگ (وقت بے وقت) امیر المومنین کو بلاتے ہو، حالانکہ وہ خود تمہارے کاموں میں مستعد رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب وہ مسلمانوں کے کسی (اہم) کام میں مشغول ہوتے ہیں، تب بھی تم ان کے پاس آ کر فریادیں کرتے ہو۔'' وہ شخص ملامت کرتا ہوا واپس لوٹ کر جانے لگا تو حضرت عمرؓ نے

اس کو بلا کر اپنا درہ اس کے سامنے ڈال کر فرمایا: "تم اپنا قصاص لے لو۔" اس نے کہا: "نہیں میں اللہ کے واسطے اور تمہارے واسطے درگزر کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا، کچھ دیر کے بعد ادھر آیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: "اے ابن خطابؓ تو پست تھا، اللہ نے تجھ کو بلند کیا، تو گمراہ تھا اللہ نے تجھے ہدایت دی، تو ذلیل تھا اللہ نے تجھے عزت دی پھر تجھ کو لوگوں کا حاکم بنایا۔ ایک شخص تیرے پاس دادخواہی کے لئے آیا تو نے اس کو مارا کل تو جب اللہ کے پاس جائے گا تو اسے کیا جواب دے گا؟" احنف کہتے ہیں کہ اس معاملے میں حضرت عمرؓ اپنے آپ کو اس قدر ملامت کرتے تھے کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ تمام زمین والوں سے آپ بہتر ہیں (۶۷)۔"

۶۔ تحائف سے اجتناب:

نظمیہ عامہ کے ضابطہ اخلاق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ تحائف سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔ رسول اکرمؐ نے ان سے سختی سے منع فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس پالیسی کو اپنے عہد خلافت میں جاری و ساری رکھا۔ نہ تو خود کسی سے تحفہ قبول فرماتے نہ اہل خانہ کو لینے دیتے اور نہ ہی عمال و افسران کو اس کی اجازت دیتے، یہ بھی رشوت کی ایک قسم ہے۔ اس سے دینے والا خوشامد، چاپلوسی، ناجائز توقعات، غیر ضروری قرب، بلا جوز اعانت و مدد کا طالب ہوتا ہے، جبکہ افسر خود غرضی، مفاد پرستی، غرور و لالچ اور زیادتی و ناانصافی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ رشوت و تحائف ادا نہ کر سکنے والوں کے جائز کاموں میں بھی رکاوٹ ڈالتا ہے اور ان سے طمع رکھتا ہے اور ناجائز کاموں کو کرنے کا عادی بن جاتا ہے۔ اس سے کرپشن، اقربا پروری اور استحصال کو فروغ ملتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس تحائف روانہ کئے، اس سامان کو آپ نے کھولنا شروع کیا۔ ابھی ایک ہی تھیلی کھولی تھی کہ پکار اٹھے اسے واپس کر دو، اسے واپس کر دو، نہ ہم خود یہ دیکھیں گے کہ کیا کیا آیا ہے اور نہ ہی تم اسے قریش کو دکھاؤ گے، ورنہ یہ آپس میں لڑ کر کٹ مریں گے (۶۸): "آپ نے حکم تحریر فرمایا کہ "ہدیہ قبول نہ کرو کہ یہ رشوت ہے۔" حضرت عمرؓ حاکم کو ہدیہ دینے کو بھی رشوت شمار کرتے تھے (۶۹)۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے کسی عامل نے آپ کی اہلیہ کو دو گاؤ تکیے بھیجے۔ حضرت عمرؓ آئے اور آپ نے کہا کہ اللہ فلاں کا ناس کرے۔ جب انہیں کوئی کام پڑتا ہے اور مجھ پر بس نہیں چلتا تو یہ میرے گھر والوں کو واسطہ بناتے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان گاؤ تکیوں کو زور سے ان کے نیچے سے کھینچا جو لوگ ان کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے اٹھا کر لے جانے لگے۔ خادمہ دوڑی کہ ان کے اندر روئی ہماری ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت ٹانکے ادھیڑے، روئی نکال کر پھینکی

اور تکیے لے کر باہر نکل گئے۔ ان میں سے ایک، ایک مہاجر عورت کو دے دیا اور دوسرا ایک انصاری عورت کو دے دیا(۷۰)۔ ایک شخص حضرت عمرؓ کو ہر سال اونٹ کی ران بھیجا کرتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس کوئی معاملہ لے کر آیا اور بولا کہ اے امیر المومنینؓ ہمارے درمیان اس طرح صاف فیصلہ کر دیجئے جس طرح اونٹ کی ران اونٹ سے علیحدہ کر دی جاتی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تمام عمال کو حکم تحریر کیا کہ "ہدیہ قبول نہ کرو کہ یہ رشوت ہے(۷۱)"۔

بقول رواس غرض حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ:

۱۔ حاکم کو ہدیہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ فی الحقیقت رشوت ہے۔

۲۔ یہ مال راشی کو واپس نہیں کیا جائے گا اور نہ مرتشی کے لئے رکھنا جائز ہے بلکہ ایسا مال راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے(۷۲)۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے زوجہ عمرؓ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل کو ایک فرش بطور ہدیہ بھیجا، جسے میں سمجھتا ہوں کہ ایک گز اور ایک بالشت کا ہوگا۔ عمرؓ ان کے پاس آئے، تو اسے دیکھا، پوچھا کہ "تمہارے لئے کہاں سے آیا؟" انہوں نے کہا کہ "ابو موسیٰ اشعریؓ نے بطور ہدیہ دیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے اسے لے کر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر ہل گیا، پھر فرمایا کہ "ابو موسیٰ اشعریؓ کو میرے پاس بلا لاؤ اور انہیں پیادہ چلا کے تھکا دو۔" ابن عمرؓ نے کہا کہ وہ اس طرح لائے گئے کہ تھک گئے اور کہہ رہے تھے: "یا امیر المومنینؓ! مجھ پر عجلت نہ کیجئے۔" عمرؓ نے فرمایا کہ "تمہیں کیا چیز برانگیختہ کرتی ہے کہ تم میری ازواج کو ہدیہ دو۔" عمرؓ نے اس فرش سے ان کے سر پر مارا اور فرمایا: "اسے لے لو ہمیں اس کی حاجت نہیں(۷۳)۔" آپ تحائف کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ ایک مرتبہ آپ کی زوجہ ام کلثومؓ نے شاہ روم کی بیوی کو تحائف بھیجے، جواباً اس نے بھی تحائف بھیجے تو آپ نے وہ بیت المال میں جمع کرا دیئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ام کلثومؓ بنت علیؓ نے کچھ خوشبوئیں اور دوسرے تحائف ڈاک کے ذریعے ملکۂ روم کے پاس بھیجے اور وہ وہاں پہنچ گئے تو ہرقل کی بیوی (ملکۂ روم) نے اپنی خواتین کو جمع کر کے کہا: "یہ عرب کی ملکہ اور ان کے پیغمبر کی بیٹی کے تحائف ہیں۔" اس کے بعد ملکہ روم نے ان سے خط و کتابت کی اور اس کے بدلے میں تحائف بھیجے، جن میں ایک نہایت قیمتی ہار بھی تھا۔ جب وہ لے کر آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے تحائف کو رکوا دیا، پھر لوگوں کو نماز کے لئے بلوایا جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں پھر یہ فرمایا: "میں جو اہم کام مشورہ کے بغیر انجام دیتا ہوں، اس میں بھلائی نہیں ہوتی ہے۔ تم مجھے مشورہ دو کہ ام کلثوم نے ملکہ روم کو تحائف پیش کئے تھے (اس کے جواب

میں) ملکہ روم نے تحائف بھیجے ہیں۔''

کچھ لوگوں نے کہا: ''یہ تحائف ان کے تحائف کے بدلے میں ہیں اس لئے وہی (ام کلثومؓ) اس کی حقدار ہیں۔ ملکہ روم کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ وہ آپ کے ماتحت ہے، جو آپ سے ڈرے۔'' دوسرے لوگوں نے کہا: ''ہم کپڑے تحفہ کے طور پر بھیجا کرتے تھے تاکہ ہمیں اس کا بدلہ ملے اور ہم انہیں اس لئے بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ فروخت ہوں اور ہمیں ان کی قیمت حاصل ہو۔'' آپ نے فرمایا: ''لیکن یہ قاصد مسلمانوں کا قاصد ہے اور یہ ہرکارہ ان کا ہرکارہ ہے۔'' آخر کار آپ نے حکم دیا کہ یہ تحائف بیت المال میں جمع کر دیئے جائیں اور انہیں (حضرت ام کلثومؓ) کو ان کے خرچ کے مطابق رقم واپس کی گئی(۷۴)۔ آپ کے خادم حضرت اسلمؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اے اسلم دروازہ بند کر دو اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔'' پھر ایک روز انہوں نے میرے جسم پر ایک نئی چادر دیکھی تو پوچھا کہ ''یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟'' میں نے عرض کیا: ''یہ عبید اللہ بن عمرؓ نے دی ہے۔'' فرمایا: ''عبید اللہ سے لے لو، مگر کسی اور سے ہرگز کچھ نہ لو(۷۵)۔'' ۲۳ھ میں آپ نے اصفہان کی جنگوں میں حضرت سلمہ بن قیس اشجعی کو امیر لشکر مقرر فرمایا، جنگ میں اللہ تعالیٰ نے فتح دی۔ انہوں نے مال غنیمت میں کچھ زیورات و جواہرات دیکھے، تو انہوں نے نے فرمایا: ''تمہیں اس میں سے کوئی حصہ نہیں پہنچے گا۔ تم خوشی سے اس بات کی اجازت دو کہ ہم اسے امیر المومنینؓ کی طرف بھجوا دیں کیونکہ وہ بہت محنت و مشقت برداشت کر رہے ہیں۔'' تمام مسلمان اس کے بھجوانے پر راضی ہو گئے، تو حضرت سلمہ نے ان زیورات کو صندوقچے میں رکھا، اپنے قبیلے کے ایک شخص کے ہاتھ روانہ کرتے ہوئے کہا: ''اسے لے کر سوار ہو جاؤ، جب بصرہ پہنچو تو امیر المومنین کے انعامات کی توقع پر دو سواریاں خرید لو، ان پر اپنا اور اپنے غلام کا زادِ راہ لا دو، پھر امیر المومنینؓ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔'' قاصد کے بقول حضرت عمرؓ نے مجھ سے جنگ اور علاقے کے تمام حالات، دریافت فرمائے، میں نے جواہرات کے سلسلے میں بھی واقعہ کی تفصیلات بیان کیں اور صندوقچہ نکال کر پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے زیورات کے نگینوں کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ سرخ، زرد اور سبز رنگ کے تھے۔ آپ نے (پیچھے کی طرف) چھلانگ لگائی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے: ''اگر یہ زیورات قبول کر لوں تو اللہ عمرؓ کا پیٹ نہ بھرے۔'' عورتوں نے یہ خیال کیا کہ شاید میں آپ پر حملہ کر رہا ہوں، وہ سب پردے کے پاس آگئیں۔ آپ نے مجھے فرمایا: ''جب تم اپنے سے زیادہ کسی کو ان کا ضرورت مند دیکھو تو دونوں اسے دے دو۔'' میں نے عرض کیا: ''امیر المومنینؓ میں ایسا ہی کروں گا۔'' پھر مجھے فرمایا: ''اگر مسلمان ان (زیورات) کے تقسیم ہونے سے

پہلے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے تو میں تم اور تمہارے حاکم کے ساتھ بہت برا سلوک کروں گا۔'' قاصد کہتا ہے:''میں وہاں سے جلد کوچ کر کے (حضرت) سلمہ کے پاس پہنچا اور کہا:'' آپ نے مجھے جس کام کے لئے مخصوص کیا تھا اللہ نے اس میں برکت عطا نہیں فرمائی۔ آپ ان زیورات کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اس سے پہلے کہ مجھ پر اور آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو۔'' چنانچہ انہوں نے یہ (زیورات) ان میں تقسیم کر دیئے۔ اس وقت ایک ایک نگینہ پانچ یا چھ درہم میں فروخت ہوا، حالانکہ ہر ایک نگینہ بیس ہزار کی قیمت سے زیادہ کا تھا(۷۶)۔''

مذکورہ سب واقعات یہ واضح کرتے ہیں کہ آپ نے افسران کے ضابطہ اخلاق میں ہر قسم کے تحائف سے اجتناب کو نہ صرف شامل کیا، بلکہ اپنی عملی مثالوں سے اس پر سختی سے عمل کرایا۔ خود جب آپ اس قدر محتاط تھے تو کسی کی کیا مجال ہو سکتی تھی کہ وہ لینے کی ہمت کر سکے۔ دور جدید میں بھی حکومت و مملکت کے سربراہان اور وزراء سے لے کر اعلیٰ بیوروکریٹس ایسا عملی نمونہ پیش کریں، تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نچلی سطح تک سرطان کی مانند پھیلی ہوئی کرپشن اور رشوت ستانی کا خاتمہ نہ ہو سکے۔ اصل بات یہ ہے کہ کرپشن پر وہی قابو پا سکتا ہے، جو سب سے بڑھ کر خود اپنے اور اپنے اہل خانہ اور اقرباء کے معاملوں میں حد سے زیادہ احتیاط اور سختی برتے۔

۵۔ قیام عدل:

نظمیہ عامہ کے فرائض میں سے ایک بہت بڑا فریضہ قیام عدل ہے۔ آپ خود بھی عدل کرتے اور عدل کرنے والوں کو ہی سرکاری مناصب پر مقرر کرتے خواہ وہ جج ہوں یا دیگر ذمہ داریوں کے حامل۔ پھر آپ متواتر اس سلسلے میں انہیں ہدایات جاری کرتے رہتے اور ان کے معاملات پر گہری نظر رکھتے کہ کہیں عدل کے تقاضوں کو فراموش کرتے ہوئے ظلم واستحصال تو نہیں کر رہے۔ آپ کے نزدیک عدل صرف عدلیہ کی نہیں، بلکہ پوری پبلک ایڈمنسٹریشن کی ذمہ داری ہے۔ انہیں ہر معاملے میں عدل ہی کے اصولوں پر کاربند رہنا چاہیئے، پھر ہی عدل وانصاف کی برکتوں سے معاشرہ فیض یاب ہو سکتا ہے۔''عدل فاروقی'' ایک مشہور مثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ آپ کے عہد میں ایک مرتبہ زلزلہ آیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور زمین پر درہ مار کر کہا:'' قرار پکڑ کیا میں تجھ پر عدل نہیں کرتا؟ زمین اسی وقت ساکن ہو گئی(۷۷)'' آپ نے حضرت سعدؓ کے ساتھ چھ ہزار فوج کو روانہ کرتے وقت سب کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:'' جسے کسی چیز کا علم ہو، وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ بلاشبہ عدل کے لئے علامات اور شہادت ہوتی ہے۔ اس کی علامات حیاء، سخاوت، آسانی اور نرمی ہیں اور اس کی بشارت رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

ہر کام کے لئے ایک دروازہ مقرر کیا ہے اور ہر دروازے کے لئے ایک چابی مہیا کی ہے۔ پس عدل کا دروازہ غور و فکر کرنا ہے اور اس کی چابی زہد ہے۔ غور و فکر موت کو یاد کرنے اور اموال پیش کرنے کے لئے تیار ہونے کو کہتے ہیں اور زہد ہر کسی سے حق ہی لینا ہے، جسے حق قبول کرے اور یہ کہ بقدر کفایت روزی پر اکتفا کرنا ہے۔ گزارے کی روزی جس کی کفایت نہ کرے، اسے کوئی چیز بھی غنی نہیں کر سکے گی۔ میں تمہارے اور اللہ کے درمیان ہوں مگر میرے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دعا سے مدد کرنا میرے ذمے لگایا ہے پس تم اپنی شکایات ہم تک پہنچاؤ۔ جو شخص ہم تک شکایت پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا، وہ جس شخص تک پہنچا سکتا ہے پہنچا دے، ہم اس کے لئے اس کا حق بلا خوف وصول کریں گے (۷۸)۔"

آپ نے اس تقریر میں عدل کی علامتیں، فلسفہ اور بنیادیں نہایت خوبصورتی سے واضح فرمائی ہیں، تا کہ لوگ اسے زندگی کے ہمہ گیر رویے کے طور پر لیں۔ آخر میں آپ نے لوگوں کو اعتماد دلایا ہے کہ بطور منتظم ہر ظلم و زیادتی کے خلاف کاروائی کر کے ضرور حق دلائیں گے۔ اس کی کسی بھی ذریعے سے صرف اطلاع پہنچ جانا کافی ہوگا۔ آپ کے نزدیک عمال و حکام کے تقرر کا سب سے بڑا مقصد عدل کا قیام تھا۔ آپ نے زندگی کے آخری جمعہ کے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: "**اللھم انی اشھدك علی امرآء الامصار فانی انما بعثتھم علیھم لیعدلوا علیھم** (۷۹). ترجمہ اے اللہ میں تجھے گواہ ٹھہراتا ہوں کہ بے شک میں مختلف علاقوں کے اہلکاروں کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ ان کے ساتھ عدل کریں" آپ جن عمال کو مقرر کرتے تھے انہیں بھیجتے وقت بہت سی نصیحتیں فرماتے۔ انہیں بھیجنے کے مقاصد اور ان کی ذمہ داریاں بتاتے۔ ان میں یہ بات بھی شامل ہوتی "**وتقضوا بینھم بالحق وتقسموا بینھم بالعدل** (۸۰). کہ ان کے مابین حق کے مطابق فیصلے کریں اور عدل کے ساتھ مال تقسیم کریں" آپ کے عمال عموماً آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کرتے، تاہم اگر کسی کے خلاف کوئی شکایت آپ تک پہنچتی تو پوری تحقیق و تفتیش کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ جو کوفہ کے گورنر تھے کے خلاف شکایت آئی تو آپ نے کئی آدمیوں کو بھیجا جنہوں نے ہر ہر مسجد میں جا کر حضرت سعدؓ کے بارے میں لوگوں سے پوچھا، سب نے آپ کی تعریف کی، لیکن جب وہ مسجد بنی عبس میں گئے تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ تھا کھڑا ہوا اور کہا کہ "آپ نے اگر خدا کا واسطہ دے کر پوچھا ہے، تو سنئے سعد نہ تو جہاد کرتے ہیں، نہ مال کی تقسیم صحیح کرتے ہیں اور نہ ہی عدل کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔" حضرت سعدؓ بھی موجود تھے، انہوں نے سن کر کہا: "خدا کی قسم! میں تین دعائیں کرتا ہوں" اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا و نمود کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر

دراز کر دیجئے، اسے فقر میں مبتلا کر دیجئے اور اسے فتنوں میں ڈال دیجئے۔'' آخر وہ شخص ایسے ہی حالات کا شکار ہوا۔ جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا میں ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے سعد کی بددعا لگ گئی تھی۔ واقعہ کے راوی عبدالمالک کہتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا تھا اس کی بھویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھی، لیکن اب بھی وہ راستوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا پھرتا تھا(۸۱)۔

اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی نظمیہ عامہ میں عدل وانصاف کے حوالے سے کس طرح کا ماحول اور صورتحال تھی۔ اس کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ نے انتظامی آلات کو اس مقصد کے لئے بھرپور استعمال فرمایا، جن میں نگرانی، رہنمائی، رابطہ، حالات سے آگہی، کنٹرول، احتساب وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انتظامی عہدوں پر تقرر ہی ان لوگوں کا کرتے، جن سے عدل کی امید ہو سکتی تھی، لیکن پھر بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑنے کے بجائے ان پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد ابتدائی دنوں ہی میں اپنے آزاد کردہ غلام اور معتمد یرفا کو شام کے فوجی افسران (حضرت خالد بن ولیدؓ، یزید بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ اور عمرو بن العاصؓ) کے حالات، مسلمانوں کے ساتھ ان کے طرز عمل اور عام چال ڈھال کا حال معلوم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے سب کی فرداً فرداً تعریف کی۔ یرفا کو واپسی پر اپنے ہم نفس حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ مل کر ایک خط لکھ کر دے دیا، جس میں خود فاروق اعظمؓ کو زبردست نصیحتیں کیں۔ اس کا ابتدائی حصہ کچھ اس طرح تھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ابوعبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل کی طرف سے عمر بن الخطابؓ کو سلام علیکم۔ ہم اس معبود کے سپاس گزار ہیں، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہمیں معلوم ہے آپ کو اپنی اصلاح کی کتنی فکر رہتی تھی۔ اب آپ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کالے گورے کے حاکم ہو گئے ہیں۔ آپ کے سامنے دوست دشمن، بڑے چھوٹے، کمزور اور طاقتور سب بیٹھتے ہیں۔ ان سب کے آپ کے ذمے حقوق ہیں اور سب کے لئے آپ کی میزان عدل میں حصہ ہے۔ اے عمرؓ ذرا خیال رکھنا آپ ان کے ساتھ کس طرح انصاف کرتے ہیں۔ ہم آپ کو اس دن کی یاد دلاتے ہیں جب سارے راز کھل جائیں گے اور چھپی برائیاں طشت از بام ہو جائیں گی۔ جب چہرے ایک ''سلطان غالب'' کے سامنے ذلیل وخوار ہوں گے (۸۲)۔''

آپ نے اس کے جواب میں جو تفصیلی خط لکھا اس کی چیدہ چیدہ باتوں میں ایک تو یہ تھی: ''تم نے لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے اصلاح نفس کی آپ کو لگن تھی، یہ تم نے کیسے جانا؟ تمہارے الفاظ سے ستائش کی بو آتی ہے۔'' ایک اور بات یہ لکھی: ''بلاشبہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ور ہنمائی عمر کے شامل حال نہ ہو تو وہ انصاف کا حق ادا نہ کر

سکے۔'' آخر میں ہدایت کی کہ ''تم مجھے خط لکھتے رہا کرو میں تم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا (۸۳)۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جس طرح نصیحتیں کرنے میں بیباک تھے اسی طرح نصیحتیں سننے کے لئے بھی ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جو حکمرانوں کو بہت ہی کم نصیب ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو عقل کل سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور حق بات سننے اور پہچاننے کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ ایڈمنسٹریشن کے بالائی مراکز میں عدل کے چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور نیچے رعایا جاں بلب ہو جاتی ہے۔ ایک اور واقعہ بالمشافہ بھی پیش آیا۔ آپ نے سعید بن عامر حذیم کو پروانہ بھیجا کہ تم کو شام کے ایک حصے کا عامل مقرر کیا جاتا ہے، انہوں نے انکار کر دیا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ سارا بوجھ تم میرے اوپر ڈال دو اور خود گھروں میں بیٹھ جاؤ۔'' جب سعید نے حضرت عمرؓ کا اصرار دیکھا اور انہیں اندازہ ہوا کہ انہیں نہیں چھوڑیں گے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو بہت خوب نصیحت کی: ''اے عمرؓ! اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنا رخ اور اپنے فیصلوں کو ان سب کے لئے درست رکھو جنہوں نے تم کو اپنا نگران بنایا ہے، خواہ وہ قریبی ہوں یا دور کے رہنے والے اور دوسرے لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو (۸۴)۔

''اس سے ہمارے سامنے یہ اصول آتا ہے کہ پبلک ایڈمنسٹریشن کے اہلکاروں کا یہ کام نہین ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ستائش کرتے رہیں۔ ہر جائز و ناجائز کام میں ایک دوسرے کو تقویت دیں اور ماتحت افسران اپنے بڑوں کی جی حضوری کرنے کی کوشش کریں بلکہ ان کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ ایک دوسرے کو حق و صداقت اور عدل و انصاف کی نصیحتیں کرتے رہیں اور اپنی مشترکہ ذمہ داریوں کا احساس بیدار کریں، تاکہ معاشرے میں حقیقی عدل قائم ہو سکے۔

ایڈمنسٹریشن آف جسٹس کے لوازمات کیا ہیں؟ اس کے لئے افسران کو اپنے طرز عمل مین کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟ اس بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کے نظریات نہایت بصیرت افروز اور عملی نوعیت کے ہیں۔ یقیناً ان کے بغیر عدل و انصاف کسی بھی زمانے اور خطے میں کبھی نافذ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے اپنے ایک گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا: ''سارے انسانوں کو اپنی نظر میں یکساں رکھو اور اپنی مجلس میں ان کے ساتھ یکساں سلوک کرو، تاکہ کمزوروں کو تم سے انصاف کی امید باقی رہے اور معززین میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ تم ان کی خاطر دوسروں پر زیادتی کر سکتے ہو (۸۵)۔'' آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ قانون اور ضابطے طاقتوروں کو کنٹرول کرنے اور مجبوروں اور بے کسوں کے تحفظ کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ ان کی ساری خلاف ورزی ''معززین'' کی خاطر معززین کی

وجہ سے اور معززین کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس لئے اہلکاروں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ انہیں بلاوجہ ترجیح نہ دیں، تاکہ انصاف صرف ہو ہی نہیں، بلکہ دکھائی بھی دے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی امید باقی رہے۔ یہ امن وامان اور وحدت واستحکام کے لئے ضروری ہے، ورنہ یا تو مایوسی وبددلی پھیلے گی یا بغاوت وسرکشی۔ آپ نے اپنے معروف سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ کے نام خط میں مزید اصولوں کی نشاندہی فرمائی، جب وہ شام میں تھے تو انہیں لکھا: ''اما بعد! میں ایک ایسا خط لکھ رہا ہوں جس میں میں نے امکانی حد تک اپنی اور تمہاری خیر خواہی کی ہے۔ پانچ باتوں پر عمل کرو تو تمہارا دین سلامت رہے گا اور تمہیں بہتر سے بہتر اجر ملے گا۔ جب کسی مقدمے کے دونوں فریق تمہارے پاس آئیں، تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ عادل گواہوں اور قطعی وواضح قسموں کا مطالبہ کرو۔ کمزور کو اپنے قریب آنے دو تاکہ اس کے دل کو تقویت ہو اور اس کی زبان کھل سکے۔ غریب الوطن پردیسیوں کی طرف جلد توجہ کیا کرو کیونکہ اگر کسی کو زیادہ عرصہ تک روکے رکھا جائے گا تو وہ اپنا کام چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ اس کا کام خراب کرنے کی ذمہ داری اس کے سر ہے، جس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور جب تک کسی مقدمے میں مناسب فیصلہ تک نہ پہنچ سکو، تب تک صلح کرانے کی کوشش کرو (۸۶)۔''

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف ایک اور خط میں لکھا: ''لوگ تمہارے پاس اپنی ضروریات پیش کرتے رہیں گے۔ اس لئے جو کوئی تمہارے پاس حاجت روائی کے لئے آئے اس کی تم عزت کرو، ایک کمزور مسلمان کے لئے یہی عدل وانصاف کی خاطر کافی ہے کہ فیصلہ کرنے اور تقسیم کرنے میں اس کے ساتھ انصاف کیا جائے (۸۷)۔'' مذکورہ ہدایات میں سے دور دراز سے آنے والوں پر جلد اور خصوصی توجہ دینا دور حاضر کی رہنمائی کے لئے بہت ہی اہم ہے۔ تجربہ ومشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں مختلف محکموں کے دفاتر یا عدالتوں میں باہر کے لوگوں کے کام پھنستے ہیں، تو وہ بے چارے ذلیل وخوار ہو جاتے ہیں۔ مالی بوجھ کے ساتھ ساتھ پیچھے کاموں کا بھی حرج ہوتا ہے۔ انہیں متعدد مرتبہ لاحاصل چکر لگانے پڑتے ہیں۔ دفتروں میں بیٹھے ہوئے افسران اور نچلا عملہ نہ ان سے ذرا سی ہمدردی رکھتا ہے، نہ ان کی بات سنتا ہے، نہ ان کی طرف توجہ دیتا ہے، نہ ان کے جائز کام کو جلد از جلد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے کام اور حق ہی سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر کسی خوش نصیب کا کام ہو بھی جائے تو اذیتوں کے طویل سفر کی تھکان اسے دلی مسرت سے لطف اندوز نہیں ہونے دیتی۔ یہ نظمیہ عامہ کے اہلکاروں کا ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ بیوروکریسی کے فلسفے، اس کے نظام اس کے فرائض اور ضابطہ اخلاق کی ناکامی ہے۔ یہ اس کے مقصد وجود سے انحراف اور جواز وجود کا خاتمہ

ہے۔حضرت عمر فاروقؓ نے کام کے بگاڑنے کا انہیں ذمہ دار قرار دے کرانہیں قابل مواخذہ ٹھہرایا ہے۔دور جدید میں ایسے قوانین بنانے اور انہیں سختی سے نافذ کرنے کی ضرورت ہے، جن سے ایسے سرکاری ملازمین کو سزادی جاسکے۔ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:''جب زمین کے ان داتا ومحتسب (دیان) جب قیامت کے روز آسمان کے محتسب سے ملیں گے، توان کی حالت بہت بری ہوگی۔سوائے اس کے جس نے عدل کے مطابق حکم دیا، حق کے مطابق فیصلہ کیا اور فیصلے میں نہ تو اپنی نفسانی خوہش کا لحاظ کیا نہ قرابتداری کا، نہ تو عاجز ہوا نہ کسی سے خوفزدہ اور کتاب اللہ کو آنکھوں کے آگے آئینہ بنایا(۸۸)۔''

اس قول میں آپ نے عمال و منتظمین کے لئے لفظ''دیان''استعمال کیا ہے، جو بڑا ہی بلیغ لفظ ہے، جس کے معنی زمینی خدا بھی ہوسکتے ہیں اور حقوق دینے، دلانے اور احتساب کرنے والے بھی آپ نے انہیں اصل خوف روز محشر کا دلایا ہے، جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔جس میں جاہ ومنصب اور اقتدار واختیار ختم ہوجائے گا۔یہ خوف ہی وہ چیز ہے جو دنیا میں طاقت وقوت کے نشے کو اتار کر عدل واعتدال کی راہ پر لاسکتا ہے۔پھر آپ نے نہایت گرانقدر انتظامی ضابطے بیان کئے ہیں، جو معاشرے میں عدل اجتماعی کے لے ناگزیر ہیں۔اگر سرکاری اہلکاران کا خیال رکھیں تو دنیا میں بھی معزز، مقبول اور کامیاب ٹھہریں گے اور آخرت میں بھی.......اس کی کامیابی کا پیمانہ اس کی استطاعت ہے، ارشاد ہوا:''من ینصف للناس من نفسہ یعطیٰ الظفر فی امرہ(۸۹).''جولوگوں کو خود ہی انصافراہم کرے تو اس کو اس کے معاملے میں کامیابی دی جاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو Lasi P-356 to 387

۲۔ Goel:5

۳۔ Al-Buraey:253

۴۔ مسعودی:۲/ ۳۱۳

۵۔ ابن تیمیہ:۵

۶۔ مسعودی:۲/ ۳۱۳

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ابن سعد:۳/ ۲۹۲

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ مالک:۴۴۶

۱۲۔ آل عمران:۲/ ۲۰۰

۱۳۔ ابوعبید:۱۲

۱۴۔ مالک:۳۵۱

۱۵۔ طبری:۴/ ۷۸

۱۶۔ طبری:۴/ ۲۰۷، ابن جوزی:۱۱۶، ابن کثیر: ۷/ ۱۳۴

۱۷۔ ابو یوسف:۱۱۶، عبدالرزاق:۱۱/ ۳۳۳

۱۸۔ ابن جوزی:۱۸۳

۱۹۔ ابو یوسف:۱۱۸

۲۰۔ حمید:۲۶۳

۲۱۔ طبری:۴/ ۲۲۶

۲۲۔ ابو یوسف:۱۱۶، ابن جوزی:۱۲۱

۲۳۔ طبری:۴/۷۱،ابن کثیر:۷/۸۶
۲۴۔ طبری:۴/۷۸
۲۵۔ ابو یوسف:۱۱۵
۲۶۔ ابو یوسف:۱۱۵،ابن سعد:۳/۲۸۱
۲۷۔ ابو یوسف:۱۱۶،ابن سعد:۳/۲۹۳
۲۸۔ ابو یوسف:۱۱۷
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ ابو یوسف:۱۱۵
۳۱۔ ایضاً:۱۱۷
۳۲۔ طبری:۴/۶۵
۳۳۔ ابو یوسف:۱۸
۳۴۔ ابو یوسف:۳۶،ابن سعد:۲۷
۳۵۔ عبدالرزاق:۱۱/۲۲۳،سعد:۳/۲۷۶،ابوعبید:۲۴۸،سیوطی:۱۲۸
۳۶۔ بیہقی:۱۰/۱۰۷
۳۷۔ رواس:۱۰۸
۳۸۔ عبدالرزاق:۱۱/۲۲۳،سیوطی:۱۲۸،ابن کثیر:۷/۱۳۴
۳۹۔ ابن سعد:۳/۳۱۳
۴۰۔ ایضاً، سیوطی:۱۳
۴۱۔ مالک:۹۳۳
۴۲۔ ابن سعد:۳/۳۲۸
۴۳۔ ایضاً:۳۲۹
۴۴۔ ابن سعد:۳/۳۲۹
۴۵۔ ابن کثیر:۷/۱۳۵،طبری:۴/۶۴

۴۶۔ حاکم:۱/۶۲

۴۷۔ مسعودی ا:۲/۲۷۰،ابن سعد:۳/۳۰۸

۴۸۔ ایضاً:۳/۲۷۹

۴۹۔ ابن اثیر:۶۲

۵۰۔ مسعودی ا:۳۱۵

۵۱۔ ایضاً:۳۱۴

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ ابن جوزی:۱۳۰

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ طبری:۴/۷۸

۵۶۔ ابن اثیر:۷۸

۵۷۔ ابو یوسف:۱۱۶،ابن سعد:۳/ ۳۴۴،سیوطی:۱۴۰،ماوردی:۲۱۱

۵۸۔ طبری:۳؍۲۰

۵۹۔ ابن سعد:۳/۲۸۸،طبری:۴/۲۰۷،ابن جوزی ا:۱۳۷

۶۰۔ ابن جوزی:۱۳۷

۶۱۔ ابن کثیر:۷/ ۱۳۴

۶۲۔ ابن جوزی:۱۲۲

۶۳۔ بیہقی:۹/۴۱

۶۴۔ ابن جوزی:۱۲۲

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ ابن جوزی:۷۶

۶۷۔ ابن اثیر:۶۱

۶۸۔ ابن جوزی:۷۶

۶۹۔ بیہقی:۱۰/۱۳۸

۷۰۔ ایضاً

۷۱۔ رواس:۳۳۷

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ ابن سعد:۳/۳۰۸

۷۴۔ طبری:۴/۲۶۰

۷۵۔ ابن سعد:۳۰۹

۷۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبری:۴/۱۸۷

۷۷۔ شاہ ا:۲/۳۴۸

۷۸۔ ابن کثیر ا:۷/۳۶

۷۹۔ مسلم:۲/۸۰

۸۰۔ طبری:۴/۲۰۴

۸۱۔ بخاری:ا/۱۸۳

۸۲۔ خورشید:۲۲

۸۳۔ ایضاً:۲۴

۸۴۔ عبدالرزاق:۱۱/۳۴۸

۸۵۔ ابن یوسف:۱۱۶

۸۶۔ ایضاً

۸۷۔ طبری:۴/۲۰۲

۸۸۔ ابن جوزی:۱۸۱

۸۹۔ ایضاً:۱۸۳

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ ابن اثیر، عزالدین محمد بن عبدالکریم، اسد الغابہ، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۵۶ھ

۳۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، سیاسۃ الھیہ، دارلکتاب العوبی مصر ۱۹۵۰ء

۴۔ ابن جوزی، ابی فرج عبدالرحمٰن، تاریخ عمرؓ ابن الخطاب، مطبعۃ التوفیق الادبیۃ، مصر

۵۔ ابن سعد، ابوعبداللہ بن محمد، الطبقات الکبریٰ، الطباعۃ والنشر، دار بیروت، ۱۹۸۷ء

۶۔ ابن کثیر، ابوالفداء الحافظ، البدایۃ و النھایۃ، مکتبہ المعارف، بیروت، ۱۹۷۳ء

۷۔ ابن عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، مکتبہ الکلیات الازھریہ، دارالفکر القاہرہ ۱۹۸۱ء

۸۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، دارالقرآن دارالعلوم الاسلامیہ، پاکستان، ۱۹۸۷ء

۹۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالفکر، بیروت

۱۰۔ بیہقی، الحافظ الجلیل ابی بکر احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، ادارہ تالیفات الشرفیہ، ملتان، پاکستان

۱۱۔ حاکم، محمد بن عبداللہ، المستدرک، مکتبہ النصر الحدیثۃ الریاض

۱۲۔ حمید، ڈاکٹر محمد حمیداللہ، سیاسی وثیقہ جات (ترجمہ) مجلسِ ترقی ادب، لاہور

۱۳۔ خورشید، فاروق، حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ندوۃ المصنفین، دھلی ۱۹۵۹ء

۱۴۔ رواس، محمد رواس قلعہ جی، موسوعۃ فقہ عمرؓ بن الخطاب، مکتبہ الفلاح کویت ۱۹۸۱ء

۱۵۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، تاریخ الخلفاء، مکتبہ النصر الحدیثۃ الریاض

۱۶۔ شاہ ولی اللہ، دہلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قرآن محل کراچی۔

۱۷۔ طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم الملوک، دارالمعارف مصر ۱۹۶۳ء

۱۸۔ عبدالرزاق، ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام، المصنف، منشورات مجلس العالمی

۱۹۔ ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، مطبعہ المحمودیہ، مصر، ۱۳۵۶ھ

۲۰۔ المسعودی، علی بن الحسینی، مروج الذھب و معاون الجواھر، مکتبہ السعادۃ بمصر، ۱۹۵۸ء

۲۱۔ مسلم، بن الحاج القشیری، الجامع الصحیح، دارالفکر بیروت، لبنان ۱۹۸۰ء۔

۲۲۔ Al-Buraey, Muhammad Administrative Development - an Islamic perspective kpi London, 1985.

۲۳۔ Goel, s.l Advanced Public Administration, sterling publisher New Dehli, 1974